کچھ پاگل پاگل سے۔۔۔

فرحت اشتیاق

کچھ پاگل پاگل سے

ہنی کی کراچی آمد میرے لیے ایک بڑا ہی خوشگوار سرپرائز تھی۔ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے وہ اچانک ہی آ گئی تھیں حالانکہ پرسوں رات تو میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اور نیٹ پر چیٹنگ تو ہماری تقریباً ہر دوسرے روز ہو ہی جایا کرتی تھی مگر انہوں نے اپنے آنے کا سرسری ساذکر بھی نہیں کیا تھا۔

"پہلے سے بتا دیتی تو سرپرائز کہاں رہتا۔"

ہنی اور میں خالہ بھانجی سے زیادہ ایک دوسرے کی پکی دوست تھیں۔ ان کی عمر اور رشتے کی بڑائی کا جو واحد احترام میں کرتی وہ میرا انہیں "آپ" کہنا تھا۔ اس "آپ" کے سوا ہمارے درمیان کوئی ادب احترام اور کوئی تکلفات حائل نہیں تھے۔

ہماری اس درجہ بے تکلفی، قربت، دوستی کی بنیادی وجہ ہمارے مزاجوں کی انتہا سے زیادہ ہم آہنگی تھی۔ مثلاً بہت زیادہ باتونی میں بھی تھی اور ہنی بھی۔ فاسٹ فوڈز مجھے بھی بڑے مرغوب تھے اور ہنی کو بھی، فلمیں دیکھنے کا انتہا سے زیادہ شوق مجھے بھی تھا اور ہنی کو بھی، کچن کے کاموں سے میری بھی جان جاتی تھی اور ہنی کی بھی، گھومنے پھرنے اور ہلا گلا کرنے میں مجھے بھی مزا آتا تھا اور ہنی کو بھی، شاپنگ کرنے اور بازاروں میں مارے مارے پھرنے کی رسیا میں بھی تھی اور ہنی بھی، تیز آواز میں گانے سننا میں بھی پسند کرتی تھی اور ہنی بھی، فاسٹ ڈرائیونگ میں مجھے بھی مزا آتا تھا اور ہنی کو بھی۔ اس کے علاوہ بھی ہمارے بے شمار شوق اور دلچسپیاں ایک جیسی ہی تھیں۔

ہنی کا موٹو "زندگی زندہ دلی کا نام ہے" تھا اور مجھے ان کے اس نظریہ سے پورا پورا اتفاق تھا۔

ہنی کی کراچی آمد کئی سالوں بعد ہوئی تھی۔ کئی سالوں بعد یوں کہ میں خود اتنی جلدی جلدی اسلام آباد اپنی ننھیال چلی جایا کرتی تھی کہ پھر وہاں سے کسی کی آمد کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ نانی کے گھر جلدی جلدی جانے کی سب سے بڑی وجہ تو خود ہنی تھی اور ویسے میری اپنی نانی سے بھی کافی بنتی تھی۔ نانی میرے لاڈ بہت اٹھاتی تھیں، اس لیے وہاں جانے میں مزا آتا ہی تھا۔ دادی کہتی تھیں، مجھے بگاڑنے میں سو فیصد ہاتھ میرے ننھیال والوں کا ہے۔ پتا نہیں مجھ جیسی معصوم اور سیدھی "بچی" انہیں بگڑی ہوئی کہاں سے نظر آتی تھی۔ ہاں تو میں کیا بات کر رہی تھی۔ یاد آیا ہنی کی آمد کے بارے میں۔ (عادت سے مجبور ہوں نا مختصر بات نہیں کی جاتی)

ہنی خاص طور پر ہم لوگوں سے ملنے نہیں بلکہ اپنے ہیڈ آفس کسی کام کے سلسلے میں آئی تھیں۔ یہ کام کتنے روز تک چلنا تھا ابھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ ویسے اندازہ یہی تھا کہ مہینہ، ڈیڑھ مہینہ تو لازمی کراچی میں رکیں گی۔

آنے کے بعد سب سے ملنے ملانے اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرنے کے بعد ہنی اپنے آفس روانہ ہوئیں تو کہیں گھومنے پھرنے کے لیے

نکلنے والا میرا پروگرام اپنی موت آپ مرگیا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ اب تو دوپہر ہو چکی ہے، وہ آفس کل سے جائیں گی مگر وائے افسوس۔ میں اسی غم میں منہ لٹکا کر بیٹھی تھی کہ ہنی سے ڈھنگ سے باتیں نہیں کر پائی اور یہ کہ وہ تو روز ہی اس طرح صبح سے شام تک آفس میں مصروف رہا کریں گی پھر ہمیں گپیں مارنے کا ٹائم تو مل جائے گا مگر گھومنا پھرنا، شاپنگ، موج مستی ہلا گلا، ان سب کا کیا ہوگا۔

میں یونہی منہ لٹکائے بیٹھی تھی کہ میری نگاہ اپنی والدہ ماجدہ کے فکر مند چہرے پر پڑی۔

''خیر تو ہے امی جان! یا اتنے حسین چہرے پر تفکر کی اتنی موٹی موٹی لکیریں کیوں؟'' میں بوقت ضرورت امی کے ساتھ ''جان'' کا اضافہ کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت یہ اضافہ یوں ہوا تھا کہ کچن میں بریانی اور چپلی کباب بننے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور میں ان تیاریوں سے باعزت بری ہو جانا چاہتی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' انہوں نے بے زاری سے میرے سوال کا جواب دیا اور تو اور مجھے کچن میں جانے کا نادر شاہی حکم بھی نہیں سنایا۔ امی اور مجھے کچن میں نہ دھکیلیں، یعنی مسئلہ واقعی گھمبیر تھا۔ کچن سے بچنے کا باعزت طریقہ پڑھائی میں مصروف ہو جانا ہوا کرتا تھا سو میں اسی میں مصروف ہو گئی۔ اگر یہاں وہاں پھرتے یا ٹی وی دیکھتے ہوئے جو کہیں دادی دیکھ لیتیں تو کام چوری پر ایک طویل لیکچر بلا وجہ مجھے سننا پڑ جاتا۔ ایسے ہر موقع پر جب مجھے کچن سے جان چھڑانی ہوتی، میرا مستقبل بعید میں کبھی نہ کبھی ہونے والا کوئی غیر اعلانیہ ٹیسٹ میری مدد کر دیا کرتا تھا۔

''میڈیکل کی مشکل پڑھائی ہے کوئی مذاق نہیں۔'' مجھے پڑھتے دیکھ کر امی تو امی دادی جیسی مطلق العنان شخصیت بھی خاموشی اختیار کر لیا کرتی تھیں۔

ہنی کی واپسی شام سات بجے ہوئی۔ مجھے ان سے باتیں کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ دادی اور امی ان سے باتوں میں مصروف تھیں۔ ابا اور میں اپنی باری کے انتظار میں خاموش بیٹھے تھے۔ دادی کو اسلام آباد اور راولپنڈی کے نجانے کن کن رشتہ داروں کی خیر و عافیت کی فکر تھی تو امی کو نانی اور دونوں ماموؤں کی تفصیلی خیریت معلوم کرنی تھی۔ ابھی دادی اور ابا یہاں موجود تھے، اگر وہ نہ ہوتے تو امی، ماموؤں سے بھی پہلے ممانیوں کی ''خیریت'' خالصتاً نندوں والے طنزیہ لہجے میں ضرور دریافت کرتیں۔ باوجود اس کے کہ ہنی امی کو ان کے مطلب کے جواب نہ دیتیں۔ انہیں اپنی بھابھیوں میں کوئی خاص برائیاں نظر نہیں آتی تھیں جبکہ امی اور بڑی خالہ کو وہ اول درجہ کی چالاک اور میسنیاں لگا کرتی تھیں۔ ان کے بھائیوں کو قابو میں کر لیا۔ بھائی عید کے عید سلام دعا کے علاوہ بہنوں کی خیریت تک نہیں پوچھتے۔ ویسے اسی قسم کی شکایتیں پھپھو کو امی سے بھی تھیں بلکہ ہنی کا میری منگنی پر پہلا تبصرہ بھی یہی تھا کہ پھپھو مجھے اپنی بہو بنا کر ضرور امی سے سارے پرانے حساب کتاب کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

ابا اپنی باری کا انتظار کرتے کرتے اس خالص خواتینی گفتگو سے بیزار ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اذان کے ساتھ ہی دادی بھی فوراً وہاں سے اٹھیں۔ وہ عشاء کی اذان کے ساتھ ہی فوراً نماز ادا کر لیا کرتی تھیں کہ اس کے بعد پھر انہیں پورے دو ڈھائی گھنٹے جم کر ٹی وی کے سامنے بیٹھنا اور ڈرامے دیکھنا ہوتا تھا۔ بقول امی کے اس عمر میں بھی مصلے پر ان کا زیادہ دل نہیں لگتا تھا۔ رات آٹھ بجے سے تقریباً گیارہ بجے تک کا ٹائم ہمارے ٹی وی لاؤنج میں اسٹار پلس کا ٹائم ہوا کرتا تھا۔ اگر کسی کو اس چینل پر کوئی اعتراض تھا اور وہ امی، ابا، ڈاکٹر چاچو اور خود دادی کی طرح اپنے کمروں میں ٹی وی

رکھتا تھا تو اپنی مرضی کے چینلز اپنے کمرے میں جا کر دیکھ سکتا تھا اور اگر میری طرح کا غریب مسکین تھا تو یا تو امی ابا کے بیڈروم میں جا کر ٹی وی دیکھ لے یا پھر صبر شکر کر کے کس کی ساس نے کس کی بہو سے کیا کہا اور کس کی نند نے کس کی بھابھی سے کیا سنا قسم کے ڈرامے برداشت کرے۔

دادی کے جاتے ہی امی ہنی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تم نے آخر کیا سوچا ہے ہانی! ہنی اپنے اصل نام ہانیہ بانو سے گھر میں بہت کم پکاری جاتی تھیں۔ انہیں تمام قریبی احباب ہانی کہتے تھے سوائے میرے۔ جس نے بچپن ہی میں ہانی کے بجائے انہیں ہنی کہنا پسند کیا تھا اور پھر میری دیکھا دیکھی میرے تینوں چھوٹے بھائیوں نے بھی انہیں ہنی ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

''کس بارے میں اپیا! ہنی کو بھی اسٹار پلس پر چلنے والے انڈین سوپس بہت پسند تھے اور وہ اس وقت اسی نوعیت کا کوئی ڈرامہ دیکھنے میں محو تھیں۔

مجھ میں اور ہنی میں واحد اختلافی چیز یہی تھی۔ خود ان کا تو یہ حال تھا کہ اگر کسی وجہ سے کسی ڈرامہ کی کوئی قسط نہیں دیکھ پاتیں تو رات میں جاگ کر یا اگلے روز دوپہر میں جب وہ دوبارہ آتا تب دیکھا کرتیں۔

''تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں میں، آخر کب تک ایسے ہی پھرتی رہوگی۔ امی کو کتنی فکر ہے تمہاری شادی کی۔ اب اگر اللہ نے اچھی شکل دے دی ہے اور اچھے رشتے آئے چلے جا رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ کچھ ہوش کے ناخن لو، تمہارے ساتھ کی سب لڑکیاں کب کی بیاہی گئیں۔ خود تمہاری سب دوست عرصہ ہوا اپنے اپنے گھروں کی ہوگئیں۔ مجھے شینا ملی تھی تھوڑے دن پہلے ایک پارٹی میں، غضب خدا کا، تمہاری بچپن کی دوست چار بچوں کی ماں بن گئی اور......''

''اب اگر اس کے سسرال میں فیملی پلاننگ کا نظریہ ابھی تک متعارف نہیں ہوا تو اس میں بھی کیا میرا قصور ہے؟''

ہنی نے امی کی بات کاٹ کر معصومیت سے پوچھا۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آئی اور امی نے جھٹ مجھے گھور کر دیکھا۔ ''تم کیا یہاں بڑوں کے بیچ بیٹھ کر دانت نکال رہی ہو، جا کر کچن میں سلاد بناؤ، کام کی نہ کاج کی۔ کام کی بات آتے ہی کتابیں کھل جاتی ہیں اور جیسے ہی کام ختم ہوا کتابیں بھی بند۔''

امی نے ہنی پر آتا غصہ مجھ پر اتارا۔ امی اپنی مرضی اور موقع محل کے لحاظ سے میری چھوٹائی بڑائی میں تبدیلی کرتی رہتی تھیں۔ کبھی میں بہت چھوٹی ہو جاتی اور کبھی بہت بڑی۔

''بچی نہیں رہی ہو اب تم، تمہاری عمر میں میں تمہاری ماں بن چکی تھی۔''

(اگر نانی نے سولہ سال کی عمر میں بیٹی بیاہ دی اور سترہویں سال میں میں پیدا ہوگئی تو اس میں بھی میرا قصور تھا۔ ویسے ہماری نانی بھی عجب ہیں یا بہت جلدی کرتی ہیں یا بہت دیر۔ اگر وہ سولہ اور بتیس کا اوسط نکال لیتیں تو بیٹیوں کی شادی کی صحیح عمر نکل آتی پھر مجھے سولہ سال کی شادی اور سترہ سال میں ماں بننے کا طعنہ بھی نہ سننا پڑتا مگر کیا کریں، نانی کا حساب ہے ہی کمزور۔) میری چھوٹائی بڑائی میں تبدیلی والے اس من مانے اصول کی جیتی جاگتی مثال میری چھ ماہ قبل ہونے والی منگنی ہے۔ خیر اس منگنی کا قصہ میں ابھی کچھ دیر بعد آپ کو سناتی ہوں ذرا ہنی اور امی کی گفتگو کا باقی حصہ تو سن لوں۔

''کچھ خبر ہے تمہیں، شینا کی بڑی بیٹی چھٹی کلاس میں پڑھ رہی ہے۔ چھٹی کلاس کی بچی دس گیارہ سال کی تو لازمی ہوگی۔ دس سال کی بھی اگر اس کی بیٹی ہے تو اس کا مطلب ہے اس کی شادی کو کتنے سال ہوگئے ہوں گے؟''

پورے گیارہ سال ہوئے ہیں اپیا! اب ایسا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تو ہو نہیں سکتا کہ دس سال کی بیٹی ہو اور شادی کو آٹھ سال ہوئے ہوں۔''

ہنی اس وقت جان بوجھ کر امی کو زچ کر رہی تھیں۔ اپنی شادی کی بات پر وہ یونہی سامنے والے کو غصہ دلا کر بات ختم کروا دیا کرتی تھیں۔

''ہانی! میں بہت سیریس ہوں اور تمہارے یہ بیہودہ اور تھرڈ کلاس مذاق سننے کے موڈ میں قطعاً نہیں ہوں۔'' امی نے غضب ناک نگاہوں سے ہنی کو گھورا۔

''میں بھی سیریس ہوں اپیا! اور یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ شینا کی کس بات پر آپ کو اعتراض ہے۔ اس غریب کے چار بچوں پر، اس کی بڑی بیٹی کے دس سال کے ہونے پر یا چھٹی کلاس میں پڑھنے پر؟ اب پڑھے لکھے ماں باپ کی بیٹی ہے، کیا اسکول کا منہ بھی نہ دیکھے معصوم؟''

امی کے چہرے سے صاف ظاہر تھا وہ ہنی کا سر پھاڑ دینے کی اپنی سوچ کو کس مشکل سے عملی جامہ پہنانے سے روک رہی تھیں۔ میں کچن کے دروازے کے پاس کھڑی اس گفتگو کو انجوائے کر رہی تھی۔ امی غصے میں وہاں سے اٹھیں اور ہنی فوراً ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو کر ''یہ بچہ تمہارا ہی ہے گوپال!'' ''میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں رام۔'' قسم کا کوئی ڈائیلاگ سننے لگیں۔

''ان کمبختوں کے ہر دوسرے ڈرامے میں ساس، بہو کے جھگڑے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ بچوں ہی کا ہوتا ہے۔''

یہ جملہ میرا نہیں امی کا تھا اور اکثر بہت جل کر اور چڑ کر دادی کو سنایا جاتا تھا۔ ڈاکٹر چاچو کے بعد امی ہمارے گھر میں انڈین سوپس کی سب سے بڑی دشمن تھیں۔ دادی جتنی ان ڈراموں کی شائق تھیں، بہو اور چھوٹا بیٹا اتنے ہی بیزار۔

کھانے پر ہنی کی وجہ سے بریانی، چپلی کباب، قیمہ شملہ مرچ، فریش سلاد اور کیریمل کسٹرڈ کا اہتمام تھا۔ دیسی کھانوں میں بریانی میری اور ہنی کی فیورٹ تھی۔ ہنی، دادی اور خاص طور پر ڈاکٹر چاچو کی موجودگی کی وجہ سے تکلف برت رہی تھیں جبکہ میں بریانی پر ٹوٹ پڑی تھی۔ امی نے ہنی سے کچھ منہ پھلا رکھا تھا اور وہ ایسی معصوم بنی بیٹھی تھیں جیسے ان کی ناراضی نظر ہی نہ آتی ہو۔

''ہنی! آپ شادی سے اتنا بھاگتی کیوں ہیں؟''

ہم دونوں کھانے کے بعد واک کرنے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔ ہم دونوں کے درمیان سنجیدہ موضوعات پر گفتگو ذرا کم ہی ہوا کرتی تھی مگر اس وقت میں نے واقعی ان سے یہ سوال سنجیدگی ہی سے پوچھا تھا۔

''شادی...... بے کار کی دردسری، خوامخواہ ایک لنگور کو اپنے سر پر سوار کر لو۔ آپ کو کیا کھانا ہے، کیا پہننا ہے اور کب سونا اور کب جاگنا ہے، اتنے بنیادی حقوق پر بھی ایک دوسرے فرد کی اجارہ داری ہو جائے۔ لاحول ولا قوۃ۔ پتا نہیں لڑکیوں کو شادی میں کیا چارم نظر آتا ہے۔ یہ شینا ہی کو دیکھ لو۔ ہمارے کالج کی سب سے نازک اندام لڑکی ہوا کرتی تھی، کیا فیشن چل رہا ہے، کون سے کلرز ان ہیں اور میک اپ کے کیا ٹرینڈز چل رہے ہیں سب ہم

اس سے سیکھتے تھے اور اب دیکھو اسے، موٹی بھینس جیسی تو ہو گئی ہے۔ چھپکلی کی دم جیسے بال ہیں پر انہیں کٹوا نہیں سکتی کہ میاؤں (میاں) کو کٹے بال پسند نہیں۔ ٹراؤزر اور چوڑی دار پاجامے پسند ہونے کے باوجود نہیں پہن سکتی کہ سرتاج انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ لے دے کر کسر بچوں نے پوری کر دی ہے۔ اس سے کبھی ملوں تو آدھے گھنٹے بات کر کے ہی میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ اس آدھے گھنٹے میں کچھ دیر میاں جی کے دکھڑے روئے جاتے ہیں کچھ دیر بچوں کی بیماریوں اور پڑھائی کے دکھڑے و مسائل سنائے جاتے ہیں اور باقی وقت ساس نندوں کی غیبتیں، اللہ معاف کرے۔''

ہنی کے منہ سے اس قسم کی باتیں پہلے بھی میں بے شمار دفعہ سن چکی تھی بلکہ جب تک میری منگنی نہیں ہوئی تھی مجھ پر ہنی کی ان باتوں کا کافی اثر بھی ہو جایا کرتا تھا مگر اب میری سوچ ذرا تبدیل ہو گئی تھی۔ میں ہنی سے مختلف انداز میں سوچنے لگی تھی۔ اگر شادی ایسا لڈو ہے جسے کھا کر بھی پچھتایا جاتا ہے اور نہ کھا کر بھی تو کھا کر ہی پچھتا لیا جائے۔ کم از کم یہ curiosity (تجسس) تو نہیں رہے گی کہ اس لڈو کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟

''پھر بھی ہنی! میرا دل چاہتا ہے، آپ شادی کریں۔ دلہن بن کر عام سی شکل کی لڑکیاں اتنی خوبصورت لگتی ہیں پھر آپ تو نجانے کیا غضب ڈھائیں گی۔''

میں نے تصور میں ہنی کو دلہن کے روپ میں دیکھتے ہوئے اپنی معصومانہ سی ''بھانجیانہ'' خواہش کا اظہار کیا۔

''میری چندا! میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کر دیتی مگر مسئلہ یہ ہے کہ فریڈرک شادی کر چکا ہے اور اس کے سوا میں کسی اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔''

''ہائیں، فریڈرک...... یہ فریڈرک کون ہے؟'' میں ایک پل کے لیے کچھ سمجھ ہی نہیں پائی جبکہ ہنی بڑی سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''ہاں یار! فریڈرک...... ڈنمارک کا کراؤن پرنس۔ ایڈیٹ نے میری ڈونلڈسن سے شادی کر لی۔ سوچو اگر وہ آسٹریلیا کی میری ڈونلڈسن کو شادی کے لیے پسند کر سکتا تھا تو پاکستان کی ہانیہ بانو کو کیوں نہیں۔''

''ہنی! آپ بھی نا بس۔'' میں ان کی شرارت پر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''یار نگی! سونے سے پہلے ایک دفعہ پھر بریانی کھائیں گے۔ کھانے کے وقت تیرے چاچو کی وجہ سے خوامخواہ مجھے بن بن کر پرتکلف طریقے سے کھانا پڑا تھا۔ اتنی مزے کی بریانی ایبا نے بنائی ہے، میں ایک پلیٹ اور کھاؤں گی۔''

جب ہم دونوں ساتھ ملتے تو اسی طرح رات میں جاگ کر باتیں کرنے کے دوران کھانے پینے کا شغل بھی کرتے تھے اور کچھ نہ ہوتا تو چپس، پاپ کورن اور ڈرائی فروٹس تو ہوتے ہی تھے۔

''نگی! مجھے تیرے بگ شو (Big show) سے ملنے کی بہت بے چینی ہے۔ کافی سال پہلے دیکھا تھا، اس وقت تو شاید وہ اسکول میں پڑھتا تھا۔ اب تو بہت بدل گیا ہوگا؟''

ہم پیپسی کی ڈیڑھ لیٹر والی بوتل سامنے رکھ کر بیٹھے تھے۔ بریانی کھائی جا چکی تھی اور اب پیپسی پی جا رہی تھی۔ پکے شرابیوں اور نشیئوں کی

طرح جیسے ہی گلاس خالی ہوتا ہم اس میں مزید پیپسی انڈیل لیتے۔ میرے خوشگوار موڈ کا ستیاناس کرنے کو نجانے نئی کو اس وقت وہ کیوں یاد آ گیا تھا۔

''کچھ خاص نہیں، تب بھی موٹا تھا اب بھی موٹا ہے اور مل آپ بالکل لیجئے گا۔ موصوف ہر دوسرے دن یہاں پائے جاتے ہیں۔''

میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ موصوف ہر دوسرے دن یہاں کیوں پائے جاتے تھے یہ نئی نے اس لیے نہیں پوچھا تھا کیونکہ یہ بات وہ پہلے سے جانتی تھیں۔ ایک تو آپ کی زبردستی اٹھا کر منگنی کر دی جائے، اوپر سے جس سے کی جائے وہ آپ کو کچھ خاص گھاس بھی نہ ڈالتا ہو تو دل پر کیا گزر سکتی ہے اس کا اندازہ وہی لڑکیاں لگا سکتی ہیں جنہیں اس صورتِ حال سے واسطہ پڑا ہو۔

میں بے چاری اچھی بھلی ہمیشہ کی طرح اپنی چھٹیاں انجوائے کرنے نانی کے گھر گئی ہوئی تھی۔ میڈیکل کالج میں داخلہ ہو جانے کی خوشی بھی اس بار شامل تھی اس لیے وہاں ہمیشہ سے بھی زیادہ انجوائے کیا۔ یہاں میرے پیچھے کیا کھچڑی پکی اور کب پکی مجھے بالکل پتا نہیں چلا۔ پتا تو اس وقت چلا جب میں اسلام آباد نئی کے ساتھ خوب گھوم پھر کر، موج مستی کر کے کراچی واپس لوٹی اور اپنی بات طے کر دیے جانے کی اطلاع سنی۔ مجھ سے پوچھنے کی زحمت تو کیا کی جاتی بس ایک رسمی سی اطلاع دے دی تھی امی نے۔ گویا میرے اعتراض یا انکار کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب میری چیخ و پکار اور احتجاج کو امی نے کوئی اہمیت نہیں دی تو میں نے اسلام آباد نانی کو فون کھڑکایا۔

''آپ کی بیٹی اور داماد نے میرا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ ابھی میں ڈھنگ سے اپنی میڈیکل کالج میں داخلے کی خوشی بھی نہیں منا پائی ہوں اور انہوں نے میری ساری خوشی ہی لے کر برباد کر دی۔'' میں نے روتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے کیا صدیقی کا۔'' نانی نے غصے سے کہا۔ جب وہ ابا پر کسی وجہ سے خفا ہوتیں تو انہیں ساجد کے بجائے صدیقی ہی کہا کرتی تھیں۔ نانی نے ابا سے کب اور کیا کہا مجھے نہیں معلوم، ہاں البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس رات ابا نے مجھے دادی کے کمرے میں بلوا لیا۔ وہاں دادی اور امی کے علاوہ ڈاکٹر چاچو بھی موجود تھے۔

''ہم نے سنا ہے ہماری بیٹی کو اس رشتے پر اعتراض ہے؟''

بعد میں امی سے چاہے جتنی بھی ڈانٹ پڑتی کہ ابا کے سامنے اتنی بے شرمی سے اپنی شادی، منگنی کی بات کیوں کی مگر میں اس پل بے ساختہ روہانسی آواز میں بول پڑی۔

''ابا! آپ نے دیکھا ہے علی کو، اتنا تو وہ پیٹو ہے، آپ کی نازوں پلی بیٹی تو روٹیاں تھوپ تھوپ کر ہی ختم ہو جائے گی۔''

کھانے سے اسے عشق تھا۔ لگتا تھا وہ زندہ ہی کھانے کے لیے ہے۔ پڑھنے اور کھانے کے سوا اس زندگی میں کوئی تیسرا کام نہیں تھا۔

''میری نازوں پلی بیٹی کو روٹیاں کیوں تھوپنی پڑیں گی۔ پھپھو کے گھر کا کک کیا ہوا؟'' ابا نے محظوظ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

ڈاکٹر چاچو بیٹھے مسکرا رہے تھے جبکہ دادی اور امی مجھے گھور رہی تھیں۔ ڈاکٹر چاچو کا وہ فیوریٹ تھا اس لیے ان سے اس معاملے میں مدد کی کوئی توقع نہیں تھی۔

''ابا! وہ اتنا موٹا بھی تو ہے، پورا کا پورا بگ شو (Big show)۔'' میں تھکی۔

''یہ کیا بلا ہے؟'' دادی نے مجھے گھورتے ہوئے ابا سے پوچھا جو باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے۔

''ایک ریسلر کا نام ہے اماں۔'' ڈاکٹر چاچو نے ان کی مشکل آسان کی۔

ابا کے سامنے جتنی بودی اور بے ڈھنگی دلیلیں میں نے اس منگنی کی مخالفت میں پیش کی تھیں ان کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ اسی اتوار کو باضابطہ طور پر منگنی کی رسم ادا کر دی جائے۔ منگنی کی رسم بھی اتنے ہی دقیانوسی طریقے سے انجام دی گئی تھی۔ یہاں پھپھو اور انکل نے آ کر مجھے انگوٹھی پہنا دی اور وہاں امی ابا نے جا کر علی کو انگوٹھی پہنا دی۔ اب لکیر پیٹنے اور غم منانے کا کیا فائدہ تھا۔ منگنی میری ہونا تھی سو ہو چکی تھی۔ میں نے اس رشتے کے ساتھ سمجھوتا کر ہی لیا۔ میری دوستوں کے تبصروں نے اس سلسلے میں میری کافی مدد کی تھی۔ ان سب کا کہنا تھا کہ وہ خاصا گڈ لکنگ ہے۔ بس تھوڑا سا اوور ویٹ ہے۔ اگر وہ اپنا وزن کم کر لے تو باقی سب ٹھیک ہے۔

اس جیسے موٹے بھالو کو میرے جیسی نازک اور پیاری سی لڑکی مل رہی تھی اسے تو میرے آگے پیچھے پھرنا چاہیے تھا مگر یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔ بطور کزنز ہماری کوئی بہت شاندار قسم کی دوستی نہیں تھی، باوجود اس کے کہ وہ ہر دوسرے روز ہمارے گھر میں موجود ہوا کرتا تھا۔ اس کا ہمارے گھر اتنی کثرت سے آنا اس کے دونوں عشقوں کی وجہ سے تھا۔ جی ہاں، اس کے دو ہی عشق تھے۔ ایک بے تحاشا کھانا اور ایک بے تحاشا پڑھنا اور یہاں اس کے یہ دونوں عشق امی اور ڈاکٹر چاچو کے ذریعے پورے ہوتے تھے۔ ہماری امی کو پتا نہیں وہ کیوں اتنا پسند تھا۔ اسے پکا پکا کر کھلا کر بلکہ ٹھنسوا کر بڑی خوش ہوا کرتی تھیں، اس پیٹو کی شکل دیکھتے ہی لہجے میں شہد گھول کر۔

''بیٹا! نہاری پکا رہی ہوں، کھا کر جانا۔'' جیسا کوئی جملہ کہتیں اور ''بیٹا'' بغیر کسی تکلف کے واقعی خوب پیٹ بھر کر اور نہاری کی ڈھیر ساری تعریفیں کرتے ہوئے کھانا کھا کر ہی جاتا۔ ڈاکٹر چاچو سے وہ پڑھائی میں بہت مدد لیا کرتا تھا۔ کبھی اسے ان سے کوئی ریفرنس بک درکار ہوتی اور کبھی کلاس میں ٹیچر کی کوئی بات پلے نہیں پڑتی تو ان سے آ کر سمجھ لی جاتی۔ وہ ڈی ایم سی میں مجھ سے دو سال سینئر تھا۔ منگنی ہو جانے کے بعد بھی اس کی آمد ان ہی دو وجوہات کے تحت ہوتی تھی۔ منگنی سے پہلے تک تو یہ سب ٹھیک تھا مگر منگنی کے بعد تو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا نا۔ ہم کزنز تھے، ہمارے ایک دوسرے کو فون کرنے پر، ملنے پر پابندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنی دوستوں سے سنا تھا کہ لڑکے اپنی منگیتروں کو منگنی کی رات یا اس کے اگلے روز لازمی فون کرتے ہیں۔ یہاں تو اتنا قریبی رشتہ تھا، وہ فون کے بجائے خود بنفس نفیس آ جاتا تو کوئی اعتراض نہ کرتا اور موصوف اگلے روز آئے بھی تھے مگر مجھ سے ملنے نہیں، ڈاکٹر چاچو سے اناٹومی کی ایک کتاب لینے۔ اس بدتمیز کو میرے سوا ہمارے گھر میں سب کچھ نظر آتا تھا۔ امی اور ڈاکٹر چاچو تو تھے ہی اس کے پسندیدہ ترین، باقی میرے بھائیوں سے بھی اس کی بے تکلفی تھی اور مجھ سے پہلے جیسی سرسری سی گفتگو۔

''کیسی ہو؟''

''پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟''

کتنے فضول اور ''غیر منگیترانہ'' سوالات تھے نا یہ، جو صاف لگتا تھا میری شکل دیکھ کر اخلاقاً پوچھ لیے گئے ہیں۔ اس کی ان حرکتوں پر میرا اتنا دل نہ جلا کرتا اگر آسیہ ہمارے گروپ میں شامل نہ ہوئی ہوتی۔ ہم پانچ دوست سینٹ جوزف سے ایک ساتھ انٹر کر کے ڈی ایم سی میں آئی تھیں۔ انٹر

تک ہم چھ تھے مگر بے چاری حلیمہ کا ہمارے ساتھ داخلہ نہ ہو سکا تو ہم پانچ رہ گئے۔ ہم پانچ کو دوبارہ چھ بیلا نے ہمارے گروپ میں زبردستی آسیہ کو شامل کروا کر کیا تھا۔ وہ بیلا کے ڈیڈی کے بزنس پارٹنر کی اکلوتی بیٹی تھی اور نئی نئی گلاسکو سے پاکستان آئی تھی۔

بیلا کے ڈیڈی نے آسیہ سے بہت اچھی دوستی رکھنے اور اس کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی تھی اور اسی تاکید نے ہم سب کو اس اترائی شکل کو برداشت کرنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ جب بھی اسے گروپ سے الگ کرنے کی بات ہونے لگتی بیلا ہم سب کے ہاتھ پاؤں جوڑنے بیٹھ جاتی۔ بہت دنوں تک تو وہ اپنے گلاسکو کے قصے سنا سنا کر ہی ہمارا دماغ خراب کرتی رہی پھر اچانک ہی اس کا ہماری کلاس کے سب سے ہینڈسم اور سب سے ذہین لڑکے عثمان سے افیئر چلنے لگا۔ یہ افیئر اتنا زبردست اور اتنا زوردار تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت پورے کالج میں پھیل گئی۔ ہماری کلاس کی تقریباً تمام لڑکیاں (ظاہری بات ہے) آسیہ سے جیلس ہوتی تھیں۔ کلاس کے سب سے شاندار لڑکے کو اس نے اپنی اداؤں کے جال میں پھنسالیا تھا اور باقی سب بے چاریاں دیکھتی ہی رہ گئی تھیں۔

''پور بہت ہیں، ایسی کوئی حسین بھی نہیں، عثمان کا ٹیسٹ ہی سڑا ہوا ہے۔''

یہ ہمارے گروپ کی ثنا کا بیان تھا جسے عثمان کی چوائس سے سخت صدمہ پہنچا تھا۔ ان محترمہ نے کلاس کے سب سے ہینڈسم اور چارمنگ لڑکے کو اپنے قابو میں کیا تھا تو انہیں باقی سب لڑکیوں سے بالعموم اور ہمارے گروپ سے (میرے علاوہ) بالخصوص خطرہ بھی لاحق رہا کرتا تھا۔ اپنے اسی خطرے کو دور کرنے اور ہم سب کو یہ باور کراتے رہنے کے لیے کہ اس ''مفتوحہ زمین'' پر کوئی اور جھنڈا گاڑنے کی کوشش نہ فرمائے، وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتی۔

''کل تم لوگوں کے بہنوئی نے فون پر دو گھنٹے مجھ سے باتیں کیں۔ ریسیور پکڑے پکڑے میرا ہاتھ دکھ گیا۔'' بہنوئی کہہ دینے سے کون سا ''متاثرینِ عثمان'' نے سدھر جانا اور اسے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھنا چھوڑ دینا تھا۔ بہنوئی والے رشتے کی ناکامی پر اس نے عثمان کو ہم سب کا بھائی بنا دیا اور پھر گفتگو کچھ یوں ہونے لگی۔

''تمہارے بھائی کتنے خوش قسمت ہیں انہیں مجھ جیسی خوبصورت لڑکی اتنے آرام سے مل گئی ہے۔''

سکینہ جو ہمارے گروپ کی سب سے منہ پھٹ لڑکی تھی اس نے چڑ کر ایک بار آسیہ سے بول دیا۔

''ہمارا دماغ خراب نہیں ہو گیا جو اتنے ہینڈسم لڑکے کو اپنا بھائی بنالیں۔ تم اسے ہمارا کلاس فیلو ہی رہنے دو۔''

اس بات کے بعد اسے سکینہ سے سب سے زیادہ خطرہ لاحق رہنے لگا تھا۔ ثنا نے آسیہ کے بارے میں ایک اور دلچسپ بات بھی بتائی تھی۔

''صبح میں تم لوگوں سے پہلے آ گئی تھی، آسیہ کوریڈور میں ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑی ہوئی تو سلام دعا کرتے ہی وہ مجھ سے کہنے لگی۔

''یار ثنا! پلیز مائنڈ مت کرنا، میں اس وقت یہاں عثمان سے بہت ضروری بات کرنے کے لیے کھڑی ہوں۔ وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھے گا تو یہاں آتے ہوئے ہچکچائے گا۔

''He is very shy yaar''

ثنا نے آسیہ کے اتراتے ہوئے لہجے کی ہو بہو نقل اتاری۔ ثنا کے بتانے کے بعد ہم سب نے اس چیز کو خاص طور پر نوٹ کرنا شروع کیا تو پتا چلا کوریڈور میں ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہونا اس کا عثمان کو اپنے پاس بلانے کا اشارہ ہوا کرتا تھا جب وہ کلاس کے دیگر لڑکوں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہوتا اور اتنے سارے لڑکوں میں گھس کر وہ اسے بلا نہیں پاتی۔ ہم نے غور کیا تو پتا چلا ادھر وہ ستون کے پاس پہنچتی ہے اور ادھر وہ دم ہلاتا سیدھا اس کے پاس۔ کیا نشانی بنائی تھی محترمہ نے۔ عثمان جب ایک ہی سیکنڈ میں ''غلام کے لیے کیا حکم ہے ملکہ عالیہ!'' جیسے انداز میں اس کے پاس پہنچتا تو میں بے ساختہ آسیہ کا اپنے ساتھ موازنہ کرتی۔ یہ تو صرف چکر چلا رہی ہے جبکہ میری تو با قاعدہ منگنی ہوئی ہے اور میرے منگیتر صاحب ستون، دیوار، کھڑکیاں، سیڑھیاں ان سب کو تو چھوڑیں اگر میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر (جب وہ سلامت تھا) اس کے Roof یا Parapet wall (فصیل) سے لٹک کر بھی کھڑی ہو جاتی اور وہ اس وقت امی کے ہاتھوں کی پکی نہاری کھا رہا ہوتا تو کہتا۔

''پہلے نہاری کھا لوں پھر آ کر تمہاری بات سنتا ہوں۔''

اس سے اگر نہاری اور مجھ میں سے کسی ایک کو چننے کو کہا جاتا تو وہ نہاری کو چنتا۔ میرے منگیتر کو مجھ سے زیادہ نہاری، پائے، حلیم اور بریانی سے پیار تھا۔ کیا یہ بات دل جلانے والی نہیں تھی؟ کالج میں میں عثمان کو غلاموں کی طرح آسیہ کے آگے پیچھے پھرتے اور اسے ''تمہارے بہنوئی کہہ رہے تھے، تمہارے بھائی نے یہ کہا'' کہتے سنتی اور گھر پر اس موٹو کو خود کو نظر انداز کرتے دیکھتی۔ میں ان باتوں پر ہی جلی بیٹھی تھی کہ ابھی پچھلے مہینے جو عید آ کر گزری تھی اس نے میری رہی سہی سب امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ عید کی صبح میں اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی، جب روحیل کمرے کے دروازے سے مجھے چھیڑتا ہوا گیا۔

''جلدی سے نیچے آ جائیں بجو! بگ شو (Big show) اپنی منگیتر سے عید ملنے تشریف لا چکے ہیں، ہاتھ میں ایک پیکٹ بھی ہے، لگتا ہے آپ کے لیے کوئی گفٹ آیا ہے۔''

میں جلدی جلدی اپنی تیاری مکمل کر کے بھاگتی دوڑتی نیچے آئی تو وہاں سوائے گھر کے افراد کے کوئی نہ تھا۔

''ابھی کوئی آیا تھا کیا؟ میں نے امی کے ساتھ کچن میں آتے ہوئے معصومیت سے بن کر پوچھا۔

''ہاں، علی سب کو سلام کرنے آیا تھا۔ عید کے دن بڑوں کو جا کر سلام کرنا، ان سے دعائیں لینا، اب تو ساری پرانی روایتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ چلو ہماری فیملی کے بچوں میں اس چیز کا شعور ہے یہی غنیمت ہے۔''

میرے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔ لعنت ہے مجھ پر جو اس غوری میزائل کے لیے بھاگتے دوڑتے اتنی تیاریاں کر کے نیچے آئی تھی۔ وہ منحوس تو اپنی نانی، ماموؤں اور ممانی کو سلام کرنے اور ان سے دعائیں لینے آیا تھا اور وہ پیکٹ؟ اپنی کسی گرل فرینڈ کے لیے خریدا ہوگا۔ اس موٹے بھالو کی کون لڑکی گرل فرینڈ بنے گی۔ خیر اس دنیا میں بدذوق لڑکیوں کی کون سی کمی ہے۔ اس کی مثال کالج کی وہ بہت سی لڑکیاں ہیں جن سے موصوف کی گاڑھی چھنتی ہے۔

عید والے اس واقعہ کے بعد میں نے بھی میک ڈونلڈ کے اس بگ میک پر ہزار دفعہ لعنت بھیجی اور اپنی زندگی میں مگن ہو گئی۔ میں کوئی ایسی گئی گزری تھی جو اس کے آگے پیچھے پھروں، بھاڑ میں جائے۔ اب وہ گھر آتا تو میں اسے اس سے بھی زیادہ نظر انداز کرتی۔ کالج میں سامنا ہوتا تو پاس سے ایسے گزر جاتی جیسے دیکھا تک نہ ہو اور اگر کبھی اس کی فون کال ریسیو کرتی تو اس کے ''میں علی بول رہا ہوں'' کہتے ہی اسے ہولڈ کروا کر ڈاکٹر چاچو، دادی یا امی کو بلا کر لے آتی۔ چھ مہینے کی ہماری منگنی میں نجانے میں کتنی ہزار بار اس پر لعنت بھیج چکی تھی اور نجانے اپنا کتنے لیٹر خون جلا چکی تھی۔

صبح ناشتے کے وقت ایک غدر مچا تھا۔ روز صبح ہمارے گھر ایسا ہی بھونچال آیا ہوتا تھا۔ جب تک کہ روحیل اپنے کالج اور بہروز اور مبشرا اپنے اسکول نہ چلے جاتے یہ طوفان یونہی سب کچھ ہلائے رکھتا۔ ٹی وی بھی ناشتے کے دوران دیکھا جاتا کہ ابا اور ڈاکٹر چاچو ناشتے کے دوران اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑانے کے ساتھ ساتھ ٹی وی پر خبریں سننا بھی پسند کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے شور میں ٹی وی کا شور بھی مل جاتا تو واقعی گھر میدان جنگ لگنے لگتا تھا۔

''ساس بھی کبھی بہو تھی'' کی ''تلسی'' چاندنی چوک سے ہار گئیں۔'' ٹی وی پر یہ خبر سنتے ہی دادی کا موڈ آف ہو گیا۔

''یہ کون ذات شریف ہے؟''

ڈاکٹر چاچو نے دادی کے لٹکے منہ کو تعجب سے دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔ میں دادی ہی کی بدولت بغیر کسی خواہش کے اسٹار پلس کے تمام ڈراموں کی مکمل معلومات رکھا کرتی تھی اس لیے ڈاکٹر چاچو کے استفسار کا فوراً جواب دے دیا۔ ہنی بھی اس خبر کو کافی غور سے سن رہی تھیں لیکن ان کے چہرے پر دادی جیسا غم والم نہیں پھیلا تھا۔ مجھے پتا تھا ان تمام سوپس میں ہنی کو ہیروئنز سے نہیں بلکہ نیگیٹو کرداروں سے ہمدردی ہوا کرتی تھی۔ ان کی عجیب سی سوچ تھی۔ ہر فلم، ہر ڈرامہ اور ہر کہانی میں انہیں مثبت کردار سے زیادہ منفی کردار پر پیار آیا کرتا تھا۔ مثلاً آپ اگر اکبری، اصغری جیسے مشہور و معروف کرداروں ہی کو لے لیں تو انہیں اکبری بہت سویٹ اور بڑی کیوٹ لگتی اور اصغری وہ گھنی، میسنی، مکار اور نجانے کیا کیا لگا کرتی تھی۔

''جیت جاتی بے چاری، وہاں کی عورتوں کی بھلائی کے لیے ہی کچھ کام کر لیتی۔'' دادی ناشتہ چھوڑ چھاڑ فی الحال یہ غم منانے میں مصروف تھیں۔

''ہانی! تمہیں اپنی کچھ فکر ہے کہ نہیں، اب تو تم سے چودہ سال چھوٹی تمہاری بھانجی تک کی منگنی ہو گئی ہے۔'' امی نے رات والا موضوع ایک بار پھر شروع کیا۔

سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد اب ناشتے کی میز پر امی، ہنی اور میں ہی رہ گئے تھے۔ مجھے آج کالج کچھ دیر سے جانا تھا، ہنی آفس جانے کے لیے بالکل تیار تھیں مگر امی نے سب کے جاتے ہی جو یہ موضوع پھر سے چھیڑا تو انہیں رکنا پڑا۔

''اپیا! آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ مجھے اتنا بے خبر سمجھتی ہیں کہ میں اپنی لاڈلی بھانجی کی منگنی تک سے لاعلم ہوں گی یا آپ کو میری یادداشت پر کچھ شبہ ہے؟ کل شینا کی شادی اور اس کے بچوں کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کر رہی تھیں آج نگی کے بارے میں۔ یقین کریں میرا حافظہ بفضلِ تعالیٰ بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ پتا ہے ہمارے آفس میں جو اکاؤنٹس منیجر ہیں وہ اس بات پر کیا کہتے ہیں۔''

انہوں نے کوئی گل افشانی شروع کی ہی تھی کہ امی نے انہیں ناراضی سے چپ کرا دیا۔

''نہیں سننے مجھے تمہارے اکاؤنٹس منیجر، کمپیوٹر آپریٹر، ایم ڈی اور پیون کے قصے۔ ساری زندگی کیا یہی قصے سناتی رہو گی؟ میں کہ تمہارے ایم ڈی ڈریسنگ کتنی عمدہ کرتے ہیں اور تمہارا پیون چائے کتنی بری بناتا ہے۔ اب میں تمہارے منہ سے تمہاری ساس نندوں کی برائیاں اور تمہارے میاں کی شکایتیں کہ تمہاری اتنی محنت کے باوجود اسے تمہارے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں آتا جیسے قصے سننا چاہتی ہوں۔''

امی بہت سنجیدہ اور غصے میں تھیں ہمران کی غصے سے کی گئی اس بات نے مجھے اور ہنی دونوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہنی خوب کھلکھلا کر ہنسی تھیں جبکہ میں امی کے غصے کے پیش نظر سر جھکا کر مسکراہٹ ضبط کر رہی تھی۔

''اپیا! میں آپ کو اپنا سچا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتی تھی۔ آج پتا چلا، آپ میرے مستقبل کے کتنے ''سہانے سپنے'' دیکھا کرتی ہیں۔ ایک تو میں کسی لنگور کے لیے کھانا پکاؤں، وہ بھی بہت محنت کر کے، اوپر سے وہ اس میں مین میخ نکالے، سر نہ پہاڑ دوں میں ایسے خبیث کا۔ اول تو ایسا وقت میری زندگی میں کبھی آنا نہیں ہے اور اگر آیا تو میں مظلوم عورتوں کی طرح آپ سے شکایتیں کروں گی؟ اس ایڈیٹ کا دماغ نہ ٹھکانے لگادوں گی دو سیکنڈ میں۔''

ہنی امی کو افسوس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اٹھیں اور اپنا بیگ کاندھے پر ڈالا۔

''بخشو بی اپیا! ہنی لنڈوری ہی بھلی۔'' انہوں نے اپنی اردو دانی کا ثبوت دیتے ہوئے امی کے قہر و غضب کو مزید بڑھایا۔

''تم سے بات کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے۔ اچھا کیا جو میں نے نگی کے انٹر کرتے ہی منگنی کر دی ورنہ تم سے اتنا دوستانہ اور یارانہ اسے بھی تمہارے جیسا بنا دیتا۔ کاش امی نے بھی تمہاری میٹرک، انٹر کے دوران منگنی اور پھر جھٹ پٹ شادی کر دی ہوتی، اس وقت اب کی طرح خود سر تو نہ ہوتیں۔''

ہنی نے مزید رکنا اور اس گفتگو کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ پہلے ہی آفس کے لیے لیٹ ہو رہی تھیں۔

''اللہ حافظ اپیا! بائے نگی!'' وہ ہم دونوں کو ہاتھ ہلاتی ڈائننگ روم سے باہر نکل گئیں۔

''دیکھا تم نے اسے، کس طرح بات ٹال کر چلی گئی۔ اس سے شادی کی بات کی جا سکتی ہے؟ اور ادھر تمہاری نانی نے فون پر مجھے حکم سنایا ہے کہ میں اسے شادی کے لیے راضی کروں اور اس کے لیے ایک عدد مناسب سا رشتہ بھی تلاش کروں۔ رشتے کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں، پر اس سے کون مغز ماری کرے۔ میرے بھیجے میں اتنا دم نہیں کہ اس کی اوٹ پٹانگ باتیں سن سکوں۔ امی کو کتنی فکر ہے اس کی شادی کی، اس احمق کو کوئی احساس ہی نہیں۔ آج اگر رشتے مل بھی رہے ہیں تو چند سالوں بعد تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ پتا نہیں کیا سوچے بیٹھی ہے۔''

امی واقعی اس وقت کافی پریشان لگ رہی تھیں۔ بات تھی بھی پریشانی کی۔ اپنی چھوٹی بہن کا اگر وہ گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں تو یہ ایک جائز خواہش تھی۔

''واقعی ہنی کو شادی کر لینی چاہیے۔ آفٹر آل شادی کوئی اتنی بری چیز بھی نہیں جس سے ہنی اس قدر چڑیں۔'' میں نے دل میں سوچا۔

''ایک طرف ہانی نے پریشان کر رکھا ہے تو دوسری طرف تمہارے ابا نے۔ انہیں اپنے لاڈلے بھیا کی شادی کی فکر ہے۔ کہہ رہے تھے'' کیا بڑھاپے میں شادی کرے گا، اس کے بچوں کی اسکول فیس اس کی پینشن میں سے جایا کرے گی؟''

امی برتن سمیٹتی میز پر سے اٹھیں۔

''سارے کے سارے پاگل اور خبطی ہماری ہی فیملی میں پیدا ہونے تھے۔'' امی بڑبڑاتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

''سارے کے سارے پاگل اور سارے کے سارے خبطی۔'' میں نے امی کی کہی بات کچھ سوچتے ہوئے دہرائی۔ میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال ابھرا۔

''پاگل ہنی، پاگل ڈاکٹر چاچو۔ ایک پاگل پاگل سا کپل۔ ایک پاگل پاگل سی فیملی۔ واؤ، زبردست۔'' میں اپنے اس شاندار آئیڈیے پر اچھل ہی تو پڑی تھی۔

''ہم میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال کبھی کیوں نہیں آیا۔ ہنی اتنی خوبصورت، اتنی ایجوکیٹڈ۔ ڈاکٹر چاچو اتنے ہینڈسم، اتنے قابل اور ماہر ڈاکٹر۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کتنے سجتے۔ واقعی چاند سورج کی جوڑی۔''

میں جوش و خروش میں ڈوبی یہ سب سوچے ہی چلی جا رہی تھی کہ میری غلط فہمیوں کے غبارے سے یہ سوچ کر فوراً ہی ہوا نکل گئی کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔ اگر ہنی کو شادی کے لیے راضی کرنا ممکنات میں سے تھا تو ڈاکٹر چاچو بھی خاصی ٹیڑھی کھیر تھے۔ ان کے ساتھ ہنی والا یہ مسئلہ تو نہیں تھا کہ وہ سرے سے شادی ہی کے خلاف تھے اور شادی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ شادی کرنا چاہتے تھے مگر اپنی پسند کی لڑکی سے اور اس کا ملنا کچھ سہل نہ تھا۔ اپنی من پسند لڑکی کی تلاش میں وہ اپنی شادی لیٹ کیے چلے جا رہے تھے۔

امی کبھی کبھار جل کر دادی کو یہ سنا دیا کرتی تھیں کہ اب بیٹے کے لیے لڑکی نہیں بلکہ عورت تلاش کریں۔ دادی کو یہ سن کر آگ لگ جاتی تھی۔ وہ ابھی تک ابا کو بوڑھا ماننے کو تیار نہ تھیں تو ڈاکٹر چاچو تو واقعی خیر سے ابھی جوان جہان بلکہ نوجوان تھے۔ (''نوجوان'' دادی کی نگاہوں میں) انہیں تو سولہ سال کی لڑکی بھی مل سکتی تھی۔

ویسے امی ساس کو چڑانے کے لیے دیور کے متعلق جو کمنٹس دیا کرتی تھیں ان میں زیادہ سچائی نہیں تھی۔ دادی کی کم عمر لڑکی مل جانے والی بات سے میں سو فیصد متفق تھی۔ خود میری کتنی ہی کلاس فیلوز اور سہیلیاں باقاعدہ ڈاکٹر چاچو پر عاشق تھیں۔ اگر کسی دن یہ پتا چل جاتا کہ آج وہ مجھے کالج پک کرنے آئیں گے تو میرا پورا گروپ میرے ساتھ کالج کے گیٹ کے پاس باجماعت کھڑا ان کی آمد کا انتظار کیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر چاچو بھتیجی کی دوست سمجھ کر ان سب سے ''بیٹا'' کر کے بات کرتے، وہ بے چارے کو کیا پتا تھا کہ جنہیں بھولا، معصوم اور بچہ سمجھ کر وہ بیٹا کہہ رہے ہیں وہ میری چاچی بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔

بیلا اور سکینہ نے تو بڑی لگینگی سے کئی بار مجھ سے یہ تک کہا تھا کہ جب ڈاکٹر چاچو کی بیوی کا چناؤ ہونے لگے تو اپنی ممکنہ چاچیوں کی فہرست میں میں ان دونوں کا نام بھی ضرور شامل کر لوں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ چاچیوں کا چناؤ کرنے کا ہمیں موقع ہی نہیں مل پاتا تھا۔ شروع میں تو ڈاکٹر چاچو نے خود اپنی شادی کے لیے سختی سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ ابھی وہ مزید تعلیم حاصل کرنا اور اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں مگر پھر جب وہ لندن سے اسپیشلائزیشن کر کے آ گئے اور ان کا کیریئر بھی ان کی حسب خواہش بن چکا تب دادی اور دونوں پھوپھیوں نے اس گھر کی دوسری بہو کی تلاش شروع

کی۔اب ان کا اتنا قابل لائق فائق ڈاکٹر بیٹا تھا اس کی ہونے والی بیوی کو اسی کی طرح قابل ڈاکٹر تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ محاورتاً نہیں، حقیقتاً ان سب نے جوتیاں گھسنی شروع کیں۔ان کی پسند کے مطابق لڑکی ملنا اس لیے ناممکن تھا کہ ایک لڑکی جو بہت حسین بھی ہو، اچھی فیملی سے بھی ہو، اس نے صرف ایم بی بی ایس ہی نہ کیا ہو بلکہ کسی خاص شعبے میں اسپشلائزیشن بھی کر چکی ہو اور عمر اس کی بیس اکیس سال سے زیادہ نہ ہو آخر کہاں مل سکتی تھی۔ابھی ان کی یہ تلاش جاری تھی کہ ابا کو اس بات کی بھنک پڑ گئی۔وہ ماں اور بہنوں پر خوب خفا ہوئے۔

''اب آپ لوگوں میں سے کوئی گھر گھر منہ اٹھا کر نہیں جائے گا۔لڑکیاں دیکھنے کے اور دس طریقے ہیں۔شادی بیاہ کی کسی تقریب میں، کسی میلاد یا سالگرہ میں یا اور کسی بھی طرح کی پارٹی میں لڑکیوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔''

امی کہتی تھیں یہ ماں بہنیں بھائی کی شادی ہونے نہیں دیں گی۔بیس سال کی انہیں پوسٹ گریجویشن کی ہوئی ڈاکٹر چاہیے تھی۔کوئی عقل کی بات بھی تھی؟ مگر تب کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ ماں بہنوں سے زیادہ اپنی شادی میں رکاوٹ تو خود ڈاکٹر چاچو ہیں۔یہ سب کو اس وقت پتا چلا جب دادی اور پھوپھیوں کا بالآخر ایک لڑکی پر اتفاق ہو گیا۔وہ پھپھو کے پڑوس میں رہتی تھی۔دبلی پتلی، حسین سی گا کا کولوجسٹ۔جسے دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی میڈیکل کالج سے پاس آؤٹ کر کے نکلی ہے۔ابا کی نصیحت اور دھمکی پر کان دھرتے کسی نے بھی اس کے گھر والوں سے رشتے کی بات نہیں کی تھی۔وہ لوگ ابھی یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ ان کی بیٹی کو اس حوالے سے پسند کیا جا رہا ہے۔سب یہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر چاچو بھی ایک بار اسے دیکھ لیں پھر رشتے کی بات چلائی جائے۔

پھپھو نے زبردستی اپنے گھر پر ایک گیٹ ٹوگیدر کا اہتمام کیا اور وہاں اس کی پوری فیملی کو بھی مدعو کیا۔وہاں انہوں نے ان دونوں ڈاکٹرز کا آپس میں تعارف کروایا اور انہیں باہم گفتگو کا موقع بھی فراہم کیا۔وہ اتنی حسین تھی کہ کوئی احمق ہی اس سے شادی سے انکار کر سکتا تھا اور ہمارے چاچو محترم نے اپنی حماقت کا بڑے آرام سے اعلان کر دیا تھا۔

''وہ انڈین فلموں کی شوقین ہے۔''

چاچو نے یہ بات اس طرح بتائی گویا کہنا چاہتے ہوں ''وہ شراب کی شوقین ہے۔''

''میں نے اس سے اس کی ہابیز پوچھیں تو پتا چلا اس کی واحد ہابی انڈین فلمیں دیکھنا ہے۔وہ شاہ رخ خان کی ہر فلم پانچ پانچ بار دیکھ چکی ہے۔'' ڈاکٹر چاچو نے اس رات گھر آ کر دادی کے استفسار پر یہ جواب دیا تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔وہ انڈین فلموں کو سخت ناپسند کرتے تھے سوائے ان پرانی موویز کے جو کلاسکس میں شمار کی جاتی ہیں، ان کے لیے انڈین فلموں کا نام لیا جانا بھی گالی تھا مگر اس بات کو بنیاد بنا کر وہ کسی لڑکی سے شادی سے انکار کر دیں گے ایسا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''وہ شاہ رخ خان اور مادھوری کی بہت بڑی فین ہے۔'' ڈاکٹر چاچو بول رہے تھے گویا وہ بے چاری کسی بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہو گئی ہو۔

''اگر انڈین فلمیں دیکھنا قابلِ گردن زدنی جرم ہے تو اس جرم کا سب سے زیادہ ارتکاب خود ان کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں۔''

یہ میں نے نہیں، امی نے کہا تھا۔اتنی خوبصورت، قابل اور اچھی فیملی کی لڑکی انہوں نے اس کے انڈین فلموں کو پسند کرنے کے جرم میں

ناپسند کر دی تھی۔ کوئی تک تھی بھلا۔ اتنی مشکلوں سے تو دادی اور پھوپھیوں کا ایک لڑکی پر اتفاق ہو سکا تھا۔ گھر میں سب چاچو پر خاصے خفا ہوئے تھے پر انہیں اس خفگی سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ابا کے ناراض ہونے پر انہوں نے اپنی پسند صاف صاف بتادی تھی۔ وہ دادی اور پھوپھیوں کی طرح اس مکتبہ فکر سے تعلق نہیں رکھتے تھے کہ ڈاکٹر کی بیوی کو ڈاکٹر ہی ہونا چاہیے۔ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ان کی ہونے والی بیوی ڈاکٹر ہو یا نہ ہو بس اسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہیے تھا، چاہے اس کی فیلڈ جو بھی ہو۔ انہیں لڑکی کے بے تحاشا حسین ہونے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ قبول صورت لڑکی بھی چل سکتی تھی اگر اس میں وہ تمام اوصاف موجود ہوں جو وہ اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ اوصاف کیا تھے؟

سگھڑاپا، کھانا پکانے میں ماہر، گھریلو، سوشل، ماڈرن، مشرقی؟

ہرگز نہیں، ان تمام باتوں میں سے انہوں نے کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ انہیں بس ایک ایسی لڑکی چاہیے تھی جو اچھی کتابوں، اچھی فلموں اور اچھے میوزک کی شیدائی ہو۔ جو کتابوں، فلموں اور میوزک کے معاملے میں بہت اعلیٰ درجہ کا ذوق رکھتی ہو۔ انڈین فلمیں دیکھنے والی، انڈین آرٹسٹوں کی باتیں کرنے والی لڑکیوں سے انہیں بیر تھا۔ خود ان کا کتابوں، فلموں اور میوزک میں بہت عمدہ ٹیسٹ تھا۔ اوٹ پٹانگ کتابیں، بے سرے گانے اور حقائق سے کوسوں دور تک کوئی تعلق نہ رکھنے والی فلمیں (یہ سب ڈاکٹر چاچو کی آراء تھیں اور میرا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں) وہ ان سب سے ہمیشہ دور رہے تھے۔ مطالعے کے وہ بے حد شوقین تھے۔ ہر موضوع پر وہ بے تحاشا پڑھتے تھے۔ ایک ڈاکٹر جو غالب کے نسبتاً غیر معروف اشعار اور شیکسپیئر کی مختلف لائنز روانی سے اپنی گفتگو میں شامل کرتا ہو، تھی نا ذرا مختلف سی بات۔ ایک ایسی لڑکی جو اچھی کتابوں کا بھی شوق رکھتی ہو، کلاسیکل میوزک میں بھی دلچسپی رکھتی ہو اور کلاسکس میں شمار کی جانے والی معیاری فلموں سے بھی شغف رکھتی ہو اس کا ملنا ناممکن تو نہیں پر مشکل ضرور تھا۔

ایسی یقیناً بہت سی لڑکیاں ہوں گی۔ پر چاچو کی قسمت، ہمارے جاننے والوں میں، رشتہ داروں میں یہاں تک کہ خود چاچو کی کولیگز میں ایسی کوئی لڑکی موجود نہیں تھی۔ کسی کو کتابوں کا شوق ہوتا تو فلموں اور میوزک کے میدان میں وہ انڈین فلموں کا نام لے کر فوراً اپنے نمبر کٹوا لیتی اور کسی کا فلموں میں ذوق اچھا ہوتا تو کتابیں پڑھنے سے اسے سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہوتی۔ عجیب مصیبت تھی۔ دادی اور دونوں پھپھو بہت ہی جلد ہار مان کر بیٹھ گئیں اور ڈاکٹر چاچو کو یہ اجازت دے دی کہ وہ کہ وہ اپنی مرضی کی لڑکی خود تلاش کر لیں کہ ایسا ''گوہر نایاب'' انہیں کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ ابا ڈاکٹر چاچو کی اس فرمائش کو پاگلانہ اور احمقانہ قرار دیتے تھے۔

دادی کہتی تھیں ''یہ ان دونوں بھائیوں کا مشترکہ شوق انہیں اپنے باپ سے وراثت میں ملا ہے۔ کسی زمانے میں ابا بھی ڈاکٹر چاچو کی طرح کتابوں، فلموں اور میوزک میں اتنی ہی دلچسپی اور اتنا ہی اعلیٰ قسم کا ذوق رکھا کرتے تھے۔'' امی کا اس بات پر منہ بن جاتا تھا۔ ''کسی زمانے'' کا لفظ استعمال کیے جانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ امی نے آ کر ان کے انٹلیکچوئل بیٹے کو کسی کام کا نہیں رہنے دیا۔

''ابی مرحوم کو کہاں سے یہ وراثت بیٹوں میں منتقل ہوئی، ہم نے کتاب تو چھوڑ کبھی اخبار پڑھتے تک نہیں دیکھا تھا۔'' امی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتیں۔

ویسے یہ سچ تھا کہ ابا کو میں نے کبھی کوئی کتاب پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ پتا نہیں انہیں ایسا شوق کب رہا تھا اب تو وہ صرف اخبار ہی پڑھا

کرتے تھے اور اس دوران بھی امی مختلف گھریلو اور خاندانی مسئلے مسائل ان کے گوش گزار کیے جاتی تھیں۔ ڈاکٹر چاچو کو تا حال اپنی پسند کی لڑکی نہیں مل سکی تھی، اس لیے ابھی تک ان کی شادی کا معاملہ جوں کا توں اٹکا ہوا تھا اور ان کی شادی مسلسل لیٹ ہوتی چلی جارہی تھی۔ جو دادی اور ابا کو خاصا فکر مند کر دیا کرتی تھی۔

''پتا نہیں اس سے راگ بھیرویں سنا کرے گا یا ستار اور ہارمونیم بجوایا کرے گا۔'' کلاسیکل میوزک سے شغف رکھنے والی چاچو کی خواہش پر امی جل کر تبصرہ کیا کرتیں۔ چاچو کے پاس مشرقی مغربی اور دیگر ہر طرح کے کلاسیکل میوزک کی سی ڈیز، کیسٹس وغیرہ کا زبردست کلکشن تھا۔ یہی حال فلموں کا بھی تھا اور کتابیں...... وہ تو ان کی اسٹڈی میں ایک سے بڑھ کر ایک بھری پڑی تھیں۔ چاچو کہتے تھے، وہ دوسرے لوگوں سے ان کی ذہنی سطح اور معیار کے مطابق گفتگو کر سکتے ہیں پر اپنی بیوی کو وہ سو فیصد اپنی ہی ذہنی سطح کا دیکھنا چاہتے ہیں۔

اپنے اتنے شاندار اور نادر و نایاب خیالات رکھنے والے چاچو کے لیے میں ہنی کا انتخاب کر رہی تھی۔ ڈاکٹر چاچو انڈین سوپس اور انڈین فلموں سے نالاں اور ہنی ان کی عاشق، کون کون سی فلمیں ریلیز ہو چکیں اور کون سی ریلیز ہونے والی ہیں ان سب کی اپ ٹو ڈیٹ معلومات رکھنے والی۔ کتابیں پڑھنے میں انہیں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اپنی فیلڈ سے ہٹ کر دوسرے کسی موضوع پر کتابیں پڑھنے کا انہیں کبھی شوق نہیں رہا تھا بلکہ وہ تو اخبار بھی بحالتِ مجبوری صرف حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے دیکھ لیا کرتی تھیں۔ واقعی وہ ''دیکھتی'' تھیں، پڑھتی نہیں تھیں اور رہا میوزک...... تو وہ تمام پاپ گلوکار جو چاہے دیسی ہوں یا بدیسی، انہیں محبوب تھے، جنہیں چاچو بے سرا کہا کرتے تھے۔ ذاتی پسند و ناپسند میں دونوں ایک دوسرے کی ضد اور اپنی اپنی ذات میں بقول امی کے پاگل اور خبطی سے۔ میں ان دونوں پاگلوں کو باہم ایک کر دینے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر چاچو میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو کسی بھی لڑکی کے آئیڈیل میں ہو سکتی ہیں سوائے اس کتابوں، فلموں اور میوزک والے کریز کے۔ ہنی سے میری محبت کا یہ واضح ثبوت تھا کہ میں ان کے لیے ایک شاندار بندہ پسند کر رہی تھی۔ رہے چاچو تو ہنی ان کے لیے بہت اچھی بیوی ثابت ہو سکتی تھیں۔ یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اچھی کتابوں، اچھی فلموں اچھے میوزک سے شغف رکھنے والی اچھی بیوی بھی ثابت ہو گی؟ پھر ہنی امی ہی کی بہن تھیں۔ جب بقول دادی کے امی نے ابا کے فلموں، کتابوں اور میوزک کے اعلیٰ درجہ کے تمام شوق چھڑوا دیئے تو ہنی بھی چند سالوں بعد چاچو کو ایسا ہی بنا دیں گی۔

اپنی پاگل پاگل سی ہنی کے لیے مجھے اپنے پاگل پاگل سے چاچو بھا گئے تھے اور اب تھوڑا سا پاگل پن شو کر کے مجھے یہ پرفیکٹ قسم کا پاگل کپل بنوانا تھا۔ اپنے ذہن میں آتے اس منفرد اور شاندار خیال کو خیالوں کی دنیا سے نکال کر حقیقت تک پہنچانا انتہائی مشکل اور جان جوکھوں کا کام تھا مگر مجھے اسے کرنا تو تھا ہی۔

☆

ہنی روحیل، بہروز اور مبشر کے ساتھ بیٹھی ہمارے گھر آنے والے اردو اخبار کا ہفتہ وار میگزین کھولے ہوئے تھیں۔ وہ چاروں مل کر اس میں دیئے کسی پیر یا عامل صاحب کے اشتہار اور اس میں شامل لوگوں کے خطوط کا مذاق اڑا رہے تھے۔

''شاہ جی! میں نے بیٹی کی شادی کے لیے آپ سے نقش بنوایا تھا، بیٹی کی شادی آپ کی دعاؤں سے بخیریت ہو گئی ہے اب نقش کا کیا کروں؟''

''پیر صاحب! میں نے بیٹے کی کینیڈا میں ملازمت کے لیے آپ سے نقش لیا تھا۔ بیٹے کی ایک ماہ پہلے وہاں مستقل ملازمت ہوگئی، اب نقش کا کیا کرنا ہے؟''

''شاہ صاحب! میں نے اولاد نرینہ کے حصول کے لیے آپ سے نقش حاصل کیا تھا، اللہ نے مجھے بیٹا دے دیا ہے۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟''

ہنی با آواز بلند سوالات پڑھ رہی تھیں اور روحیل وغیرہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

''بیٹی! آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے اور نقش اپنے پاس سنبھال کر رکھیے۔''

ہنی آخری والے خط کا جواب پڑھتے ہوئے خود بھی ہنسنا شروع ہوگئیں۔

''لگتا ہے یہ سارے خط پیر صاحب نے خود لکھے ہیں۔ ہر خط مسئلہ حل ہونے کے بعد لکھا گیا ہے اور مسئلے سارے وہ ہیں جو اس وقت ہمارے معاشرے کے سب سے بڑے مسئلے ہیں۔ بیٹی کی شادی، بیٹے کی نوکری، کیسے کیسے یہ پیر اور بابے سادہ لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ پیر صاحب! اب میں کیا کروں؟ واہ ری معصومیت۔ کیوں نگی! تم کیا کہتی ہو اس بارے میں؟''

ہنی نے مجھے بھی شامل گفتگو کرنا چاہا، میں لاؤنج میں ان لوگوں سے ذرا ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھی اور ان چاروں کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھی۔ کل سے اب تک میں ایک ہی مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر چاچو کی توجہ ہنی کی جانب کس طرح مبذول کروانی تھی، یہ تو کافی غور و فکر کے بعد میرے زرخیز ذہن نے سوچ لیا تھا مگر ہنی! ان کے ساتھ کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ہنی کی بات کا جواب دینے کے بجائے فون کی طرف نگاہ کی جس کی گھنٹی بڑے زور و شور سے بجنا شروع ہوئی تھی۔

''ہیلو۔'' میں نے ریسیور اٹھایا۔

''میں علی بول رہا ہوں، ڈاکٹر ماموں ہیں؟''

آج وہ ''علی بول رہا ہوں'' کے بعد چپ نہیں ہوا تھا۔ مجھ سے پہلے اس نے جس سے بات کرنی تھی اس کا نام لے دیا تھا۔

''کمینہ نہ ہو تو۔'' میں نے ریسیور کو گھورا اور روحیل سے بولی۔

''روحیل! جاؤ ڈاکٹر چاچو کو بتا کر آؤ، ان کے بھانجے کا فون ہے۔'' پھر میں ریسیور سائیڈ میں پٹختے ہوئے وہیں کھڑے ہو کر خاصے زور سے بولی۔

''اتنے امیر ابا ہیں، بیٹے کو کتابیں نہیں خرید کر دیتے، بیچارے کو یہاں وہاں سے مانگنی پڑتی ہیں۔''

ظاہر ہے ڈاکٹر چاچو سے کوئی کتاب مانگنے ہی کے لیے فون کیا گیا ہوگا۔ ہنی میری تپی ہوئی شکل دیکھ کر ہنس رہی تھیں جب کہ میں اسے یہ جملہ سنا کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''ابھی تک موڈ خراب ہے میری چندا کا۔'' ہنی کافی دیر بعد کمرے میں آئی تھیں۔

میں اس منحوس کے فون کو کب کا بھول بھی چکی تھی، کمرے میں آتے ہی میں نے ایک مرتبہ پھر ہنی اور ڈاکٹر چاچو کی شادی کس طرح ہو، سوچنا شروع کر دیا تھا۔ انہیں شاید میری خاموشی اور سنجیدگی سے ایسا لگا تھا کہ میرا موڈ ابھی بھی اس موٹے آلو کی وجہ سے خراب ہے۔ میرے پاس اتنا فالتو خون نہیں تھا جسے میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر جلاتی۔

''یار نگی! میں ایسا کرتی ہوں، تیرا یہ مسئلہ پیر صاحب ہی کی خدمت میں پیش کر دیتی ہوں۔'' شاہ صاحب! میری پیاری بھانجی کا بدتمیز منگیتر اسے گھاس نہیں ڈالتا۔ نہ نہ...... آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ وہ بے چاری کوئی گائے یا بکری ہے۔ ویسے آپ چاہیں تو اسے معصوم گائے، بے زبان گائے یا اللہ میاں کی گائے سمجھ سکتے ہیں۔ ایسا نقش عطا فرمایئے کہ محبوب (منگیتر) اس معصوم کے قدموں میں آ کر بیٹھ جائے۔''

ہنی کے مسخرے پن پر مجھے بے ساختہ ہنسی آنے لگی تھی مگر میں نے بڑی مشکلوں سے اس کا گلا گھونٹا۔ چونکہ اچانک ہی ایک آئیڈیا میرے ذہن میں آ گیا تھا اور کل سے جو میں ہر آئیڈیے کو بوگس اور ناقابلِ عمل قرار دیئے چلی جا رہی تھی، اس وقت علی کے فون نے میرا وہ مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا تھا۔ اپنے ذہن میں ایک مکمل شیطانی منصوبے کے آنے کی دیر تھی میں نے غور و فکر میں ڈوبے اپنے منہ پر خاصی اداسی طاری کی اور قصداً اسے دائیں جانب گرا دیا۔

''Big show کے لیے اتنی اداسی، چہ چہ...... کیا ہو گیا میری بھانجی کے ٹیسٹ کو۔' ہنی کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''ہنی! میں اس وقت بہت غصے میں ہوں، آپ مجھ سے بات مت کریں۔''

''ارے وہ تم سے بات نہیں کرتا تو تم بھی اسے نظرانداز کیا کرو۔ کیا ضرورت ہے اسے اہمیت دینے کی، دفع کرو۔'' انہوں نے بیڈ پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے جھٹ پٹ حل پیش کر دیا۔

''ہنی! آپ کی کبھی کسی سے منگنی ہوئی ہوتی اور وہ آپ کو اگنور کرتا پھر میں آپ سے پوچھتی ''دفع کرو'' دفع کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ جب اک لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ اتنے قریبی رشتے میں بندھتی ہے پھر اس کی کیا فیلنگز ہوتی ہیں، آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں۔'' میں نے چڑچڑے پن سے انہیں جواب دیا۔

''ایک لڑکی اور اس کی فیلنگز۔'' انہوں نے مجھے بغور دیکھا پھر شرارت سے ایک آنکھ دبا کر خالص فلمی لہجے میں بولیں۔

''نگی! کہیں تمہیں اس سے پیار تو نہیں ہو گیا؟''

میں نے اپنی مسکراہٹ کو بڑی مشکلوں سے ضبط کر کے چہرے پر غصے اور ناراضی سے بھرپور تاثرات سجا لیے۔

''رہنے دیں ہنی! آپ کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنا واقعی بے کار ہے۔ آپ میری فیلنگز کو ہرگز ہرگز نہیں سمجھ سکتیں۔ اصل میں آپ کا قصور نہیں ہے۔ آپ ابھی کسی کے ساتھ ایسے رشتے میں بندھی ہی نہیں ہیں۔ کیسے جان سکتی ہیں آپ کہ کوئی لڑکی اپنے منگیتر یا ہونے والے شوہر کے حوالے سے کیا کیا کچھ سوچتی ہے اور اس سے کیا کیا کچھ چاہتی ہے۔''

میں نے بظاہر سادہ سے لہجے میں ان پر ایک بے رحمانہ تبصرہ کیا۔ اپنے ان بے رحمانہ اور ظالمانہ جملوں پر میں نے خود کو دل ہی دل میں

ڈھیر ساری شاباش دی۔ ہنی کے چہرے پر سے ایک پل کو مسکراہٹ واقعی غائب ہوئی تھی۔ میں نے انہیں یہ بات کہی ہی اتنے منہ پھٹ انداز سے تھی کہ وہ اپنی ازلی شوخی ایک پل کے لیے بھلا کر سنجیدہ ہوئیں مگر پھر اگلے لمحے وہ دوبارہ ویسے ہی من موجی موڈ میں آگئیں۔

''اچھا چلو موڈ ٹھیک کرو، سونی پر مادھوری کی بہت اچھی فلم آرہی ہے، چلو وہ دیکھتے ہیں۔'' انہوں نے ٹی وی آن کر دیا۔ دادی کے ساتھ ہنی کے بڑے خوشگوار تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ ان کے آجانے سے دادی کو اپنے ساتھ اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھنے والی ایک ہستی میسر آگئی تھی۔ وہ دونوں گہری سہیلیوں کی طرح ساس اور بہو کے مسئلے مسائل سے اٹے تمام احمقانہ ڈرامے بڑے ذوق و شوق سے دیکھا کرتی تھیں اور ہنی پر آتے اس پیار ہی کی بدولت دادی نے اپنی جانب سے غیر معمولی مہمان نوازی کی انتہا کرتے ہوئے اپنے کمرے میں رکھا ٹی وی میرے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ جب تک ہنی یہاں تھیں یہ ٹی وی یہیں رہنا تھا۔ ہنی نے تکلفاً منع بھی کیا تو دادی نے ''میں تو ٹی وی لاؤنج ہی میں دیکھ لیتی ہوں یہ بیکار کمرے میں پڑا رہتا ہے'' کہہ کر ان کے انکار کو رد کر دیا۔

ہنی کے سوا یہ سلوک کسی اور کے ساتھ ہوا ہوتا تو میں جل بھن کر کباب ہو جاتی۔ میں بھی کچھ کہتی تو انہیں لگتا کہ مجھے بوڑھی دادی کے کمرے میں رکھا ٹی وی اور دوسری سہولیات کھٹکتی ہیں۔ ایک تو یہ اچھا سلوک ہنی کے ساتھ ہو رہا تھا اوپر سے خوشی کی بات یہ تھی کہ مستقبل کی ساس بہو کے درمیان پہلے ہی سے خوشگوار تعلقات قائم ہو رہے تھے۔ جب یہ رشتہ دادی کے سامنے پیش ہوگا تو کیونکہ ہنی ان کی بہو کی چھوٹی بہن ہیں یہ کہہ کر دادی اسے مسترد نہیں کر پائیں گی۔ مجھے اپنے خیالی پلاؤ پر ہنسی بھی آرہی تھی۔ ابھی یہ سب کتنی دور کی باتیں تھیں نا۔

☆

''آئیے ڈاکٹر نگار۔'' میں ڈاکٹر چاچو کے کمرے میں آئی تو انہوں نے شوخی اور شرارت سے میرا استقبال کیا۔

ہم دوستوں نے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو جانے سے پہلے ہی ایک دوسرے کو ڈاکٹر ثنا، ڈاکٹر ہیلا، ڈاکٹر حرا اور ڈاکٹر نگار وغیرہ وغیرہ کہنا شروع کر دیا تھا اور کوئی ابھی ہمیں ڈاکٹر نہیں مان رہا تو چلو ہم خود تو آپس میں ایک دوسرے کو عزت دے لیں۔ یہ طرز تخاطب ایک بار ڈاکٹر چاچو کے کانوں میں پڑ گیا تھا اور تب سے وہ مجھے اس نام سے چھیڑنے لگے تھے۔ کیا ہوا جو ڈاکٹر صاحبہ کو ابھی سوائے بی پی چیک کرنے کے جو میڈیکل کالج میں داخلے سے بہت پہلے ہی ڈاکٹر چاچو سے سیکھا تھا اور کچھ نہیں آتا تھا، تھی تو میں مستقبل کی ڈاکٹر ہی نا۔

''ڈاکٹر چاچو! مجھے آپ سے ایک کام تھا۔'' میں ان کے پاس آگئی۔

وہ اس وقت عابدہ پروین کو سن رہے تھے اور ہاتھ میں ان کے اسلامک آرکیٹکچر پر کوئی کتاب تھی۔ میرے ذہن میں اس منظر کو دیکھ کر ہنی آنے لگیں جن سے ابھی ابھی میں شاہ رخ اور رتھک کی اس سال ریلیز ہونے والی تمام موویز کی تفصیلات سن کر آئی تھی۔ ڈاکٹر چاچو کتاب بند کر کے پوری طرح میری طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''اگر آپ اپنے پاس رکھی موویز کی وی سی ڈیز میں سے مجھے ایک دو دے دیں تو۔''

''یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں؟'' انہوں نے حیرت سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میرے ''ذوق'' کا انہیں بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔

''مجھے اپنے لیے نہیں ہنی کے لیے چاہیے۔ وہ بے چاری یہاں آکر اتنی بور ہو رہی ہیں۔ اب ان کے مطلب کی موویز تو صرف آپ ہی کے پاس مل سکتی ہیں۔''

میں نے اپنی شکل پر ڈھیر ساری معصومیت اور مجبوری طاری کی۔ ڈاکٹر چاچو اپنی دنیا میں مگن رہنے والے انسان تھے۔ انہیں ہنی کے بارے میں سوائے اس بات کے کہ وہ ان کی بھابھی کی چھوٹی بہن ہیں اور کچھ نہیں معلوم تھا پھر وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کئی سال ملک سے باہر رہے تھے اس لیے وہ ہنی کے بارے میں اور ہنی ان کے بارے میں کچھ خاص نہیں جانتے تھے۔ میں ان دونوں سے ان دونوں کے بارے میں جو کچھ بھی کہہ دیتی اس پر انہیں فوراً یقین آجاتا تھا۔

''اچھا یہ آواز تمہارے کمرے سے آرہی ہے۔'' چاچو نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''جی ''آنند'' ہے۔ ہنی دیکھ رہی ہیں اس لیے تو میں آپ کے پاس آگئی کہ ان بے چاری کو بوریت دور کرنے کے لیے کئی دفعہ کی دیکھی ہوئی فلم پھر دیکھنی پڑ رہی ہے۔''

''آنند'' چاچو کے معیار کے حساب سے اچھی فلموں میں شامل کی جاتی تھی یا نہیں یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا مگر اتنا ضرور کسی میگزین میں پڑھا تھا کہ اس فلم کا شمار کلاسکس میں ہوتا ہے۔ ہنی کو بڑی مشکلوں سے یہی فلم لگائے رکھنے پر یہ کہہ کر آمادہ کیا تھا۔

''ہنی! ''کل ہو نہ ہو، آنند'' ہی کا توری میک ہے۔ پلیز یہی چینل لگا رہنے دیں۔''

وہاں وہ فلم لگوا کر اور وہ بھی ذرا اونچی آواز میں میں چاچو کے کمرے میں آگئی اور آتے ہی اس بات نے مجھے تقویت پہنچائی کہ چاچو کا کمرہ جو میرے کمرے کے بالکل برابر میں تھا وہاں فلم کا ایک ایک ڈائیلاگ صاف سنائی دے رہا تھا۔

''لے لو جو مووی تمہیں چاہیے۔'' وہ مجھے ساتھ لے کر اپنے موویز کے عظیم الشان ذخیرے والے شیلف کے پاس آگئے۔ اس شیلف پر ڈھیر ساری وی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز موجود تھیں۔ اب اس انتخاب میں سے مجھے کس کا انتخاب کرنا چاہیے تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

''کس طرح کی موویز پسند ہیں انہیں؟''

''ہر وہ مووی جس میں ریتھک موجود ہو۔'' ڈاکٹر چاچو کے استفسار پر میں نے دل میں کہا۔

''وہ انگلش اور اردو دونوں فلمیں شوق سے دیکھتی ہیں؟''

''پتا نہیں۔'' میرے جواب میں احمقانہ کیا بات تھی جو چاچو مسکرائے تھے۔ چلو اگر میں احمق اور بدذوق ثابت ہو بھی رہی تھی تب بھی خیر تھی۔ بس ہنی کو ایسا ثابت نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے تمام وی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز پر سنجیدگی سے نگاہیں دوڑانی شروع کیں۔

''Lawrence of Arabia Gone with the Wind Roman Holiday Great Barefoot The hours escape Ten commandments The Devils''

''امر پریم، مغلِ اعظم، آہ، صدمہ، پاکیزہ'' پتا نہیں کون کون سی موویز تھیں۔ سارے نام میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ان سب

میں سے میں نے صرف ''مغلِ اعظم'' اور''The hours'' کے نام سن رکھے تھے۔ ''مغلِ اعظم'' اور دلیپ کمار اور ''جب پیار کیا تو ڈرنا کیا'' والے گانے کی وجہ سے اور''The Hours'' نکول کڈمین کے آسکر ایوارڈ کی وجہ سے۔

ڈاکٹر چاچو نے میری نگاہیں''The hours'' پر جمی دیکھیں تو پتا نہیں ورجینا وولف کا نام لے کر مجھے کیا کیا مشکل باتیں بتانے لگے۔ نجانے یہ ورجینا وولف تھی کون؟ سب میرے سر پر سے گزر رہا تھا۔

''The hours'' ہنی نے دیکھی ہوئی ہے، وہ مجھ سے اس کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔''

سنا ہے پچھلے وقتوں میں جھوٹ بولنے والوں کے منہ ٹیڑھے ہو جایا کرتے تھے۔ شکر ہے اب ایسا نہیں ہوتا۔ میرا جواب سن کر چاچو مسکراتے ہوئے بولے۔

''یہ فلم سب لوگوں کے لیے نہیں ہے، یہ صرف ان ہی لوگوں کو اچھی لگ سکتی ہے جو ادبی ذوق رکھتے ہیں۔''

شکر تھا یہ ''ذوق'' میرے پاس نہیں تھا۔ یہ کون سی قسم کی فلم تھی جسے دیکھنے سے پہلے Mrs.Dalloway اور The hours نام کی کتابیں پڑھنا ضروری تھیں۔ فلم دیکھنا گویا سی ایس ایس کے ایگزامز کی تیاری کرنا تھا۔ میں نے ذرا سے غور و فکر کے بعد ''Barefoot'' اور ''آہ'' اٹھا لیں۔

''ڈاکٹر چاچو! آپ کے پاس میوزک کا بھی اتنا اچھا کلیکشن ہے جیسا میوزک میں سنتی ہوں اسے تو ہنی بے سرا کہتی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو سی ڈیز لے جاؤں؟''

''ہاں لے جاؤ، ویسے اگر وہ اپنی پسند سے خود آ کر لیتیں تو زیادہ بہتر تھا۔''

''ہنی ذرا تکلف کرتی ہیں ڈاکٹر چاچو! آپ کے انتخاب سے متاثر ہیں مگر خود لینے نہیں آئیں گی۔''

ڈاکٹر چاچو نے میرے جواب پر بات سمجھ لینے والے انداز میں سر ہلایا تو میں نے جلدی جلدی بغیر کچھ پڑھے میوزک کی تین سی ڈیز اٹھائیں اور پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

''کہاں چلی گئی تھیں؟'' ہنی ٹی وی اسکرین کی طرف اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''اتنی فضول فلم ہے، ایک سین شروع ہوتا ہے تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا اور یہ راجیش کھنہ، اس سے کہیں اچھا تو شاہ رخ لگا ہے ''کل ہو نہ ہو'' میں......'' میں نے ہنی کی نگاہوں سے چھپا کر دو سی ڈیز اور سی ڈیز جلدی سے الماری میں رکھیں اور پھر ٹی وی بند کر کے ہم دونوں لڈو کھیلنے لگے۔ اس فلم سے بہتر لڈو کھیلنا لگ رہا تھا ہنی کو۔ یا اللہ یہ بیل منڈھے چڑھے گی کیسے؟ میں نے کراہتے ہوئے سوچا۔

☆

میں اسٹور میں کوئی کتاب ڈھونڈنے نہیں گھسی تھی۔ مجھے تو وہاں صفائی کے لیے بھیجا گیا بلکہ دھکیلا گیا تھا۔ وہاں جانا حکمِ حاکم تھا اور میں بے چاری حکم ماننے پر مجبور۔ میری چھٹی کا بہترین مصرف امی کو یہ نظر آیا تھا کہ مجھ معصوم سے اسٹور کی صفائی کروائی جائے۔

''کباڑ خانہ بنا کر رکھا ہوا ہے، اگر وہ اسٹور روم ہے تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہاں پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نہ چھوڑی جائے۔''

اسٹور تو اسٹور ہی ہوتا ہے، ڈرائینگ روم تو نہیں۔ پتا نہیں ہمارے اسٹور کا معائنہ کرنے کس کی ''تشریف'' آنے والی تھی جو وہاں کی صفائی از حد ضروری تھی۔ امی کا صفائی ستھرائی کا یہ جنون اور کسی کی تو نہیں اکثر میری ہی مصیبت لے آیا کرتا تھا۔ ہماری امی کو آپ ''جالا اسپیشلسٹ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ جالے صاف کرنے میں انہوں نے واقعی پی ایچ ڈی کر رکھا ہے۔ ایسی ایسی جگہوں پر وہ گھستی اور جالے برآمد کرلاتی ہیں جہاں عام آدمی کی نگاہ پہنچ بھی نہیں سکتی۔ حالانکہ ابا نے گھر میں تین تین ماسیاں رکھی ہوئی ہیں، ان میں ایک تو صبح سے شام تک کے لیے رکھی ہوئی ہے پھر اوپر کے اور گھر سے باہر کے کام کرنے کے لیے ایک لڑکا الگ ہے۔ ان سب کے باوجود امی کی تشفی اپنے ہاتھوں ہی سے صفائی کر کے ہوتی تھی۔ دادی تک کو ان کے صفائی کے جنون سے ہول اٹھتے تھے۔

''جن کونوں میں میں گھستی ہوں وہاں کوئی نوکر گھس سکتا ہے؟۔ اگر میں تھوڑے دنوں کے لیے بھی کہیں چلی جاؤں تو گھر میں کیڑے پڑ جائیں گے۔''

میں نے پڑھائی کا بہانہ بناتے ہوئے اس کام سے بچنے کی کوشش کی تو امی نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا اور یوں مجھے اسٹور میں آتے ہی بنی۔ وہیں صفائی کے دوران مجھے بہت ساری کتابیں بڑے خستہ حالوں میں بے ترتیبی سے ایک کے اوپر ایک رکھی ملیں۔ اس کا مطلب ہے دادی ابا کے کتابوں کے شوق کے بارے میں صحیح بتاتی تھیں۔ وہ ابا کی کتابیں تھیں اور بڑے دکھ بھرے لہجے میں مجھ سے کہہ رہی تھیں۔

''دیکھو ہمیں جو دیدہ عبرت نگاہ ہو'' بعضوں نے نیرہ نور کی طرز پر ''کبھی ہم بھی پڑھے جاتے تھے، شیلفوں میں بسائے جاتے تھے۔'' بھی گایا۔

میں نے ڈاکٹر چاچو کی کتابوں کا مستقبل سوچا۔ یار بے ضرر سا ہی تو شوق ہے چاچو کا ابھی سے کہوں گی اس معاملے میں امی کی بہن ہونے کا ثبوت مت دیجئے گا۔

ان کتابوں کو دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک دوسری بات اور آئی تو میں نے ان میں سے ایک نسبتاً اچھی حالت میں موجود کتاب اٹھالی۔ وہ تھامس ہارڈی کی Jude the obscure تھی۔ میں اس رائٹر کے بارے میں سرے سے کچھ نہیں جانتی تھی پر یہ ابا کا کلیکشن تھا، یقیناً اچھی ہی کتاب ہوگی۔ میں اس ناول کو صفائی کے بعد اپنے ساتھ اٹھالائی تھی۔

ڈاکٹر چاچو لنچ کرنے گھر آیا کرتے تھے مگر یہ آمد قدرے تاخیر سے ہوتی تھی اور ہم گھر کے افراد لنچ کر چکے ہوتے تھے اور جنہیں قیلولہ فرمانا ہوتا تھا وہ سو بھی چکے ہوتے تھے۔ چاچو کی پریکٹس بہت اچھی چل رہی تھی۔ تین ساڑھے تین بجے لنچ کے لیے گھر آکر اور آدھ پون گھنٹے بعد واپس چلے جانے کے بعد پھر وہ رات دس بجے گھر لوٹا کرتے تھے۔ دس بجے بھی وہ ابا کے بے انتہا ناراض ہونے پر آنے لگے تھے ورنہ پہلے تو رات کے بارہ بجے تک ان کا پتا نہیں ہوتا تھا۔ ابا نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں پیسے کے پیچھے اس طرح بھاگنے کی کہ اپنی صحت تک برباد کر ڈالو، تمہارے دوسرے کولیگز ایسا کرتے ہیں تو انہیں کرنے دو، تمہارے پاس تمہارے اپنے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے وقت نہ ہو تو پھر فائدہ ایسی محنت اور خواری کا؟''

امی چاچو کو لنچ دینے کے لیے جاگی ہوئی تھیں۔

''امی آپ لیٹ جائیں، ڈاکٹر چاچو کو کھانا میں دے دوں گی۔''

میرے نیک پروین اور اچھی بیٹی بننے والی اس ادا پر امی نے کافی حیرت سے مجھے دیکھا اور پھر سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں لاؤنج میں بے چینی سے ڈاکٹر چاچو کا انتظار کر رہی تھی۔ ہارڈی کا ناول میں نے سینٹر ٹیبل پر الٹا کر کے اس انداز سے رکھ دیا تھا جیسے کوئی پڑھتے پڑھتے کسی کام سے اٹھ گیا ہو۔

''السلام علیکم ڈاکٹر چاچو!'' اللہ اللہ کر کے ان کی آمد ہو ہی گئی تھی۔

''آپ ہاتھ منہ دھولیں، میں آپ کے لیے کھانا یہیں لے آتی ہوں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا تو میں نے جھٹ یہ بات کہی۔

میں کھانے کی ٹرے لے کر لاؤنج میں آئی تو وہ فریش ہو کر آچکے تھے اور اب صوفے پر بیٹھے تھے۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھا میگزین انہوں نے اٹھا کر دیکھنا شروع کیا ہوا تھا۔

''ایک تو چاچو بھی ناں بس...... سائیڈ میں رکھا میگزین انہیں نظر آ گیا، آنکھوں کے عین سامنے رکھی کتاب دکھائی نہیں دے رہی۔''

''کیا پکا لیا؟'' انہوں نے کھانے کی خوشبو کو انجوائے کرتے ہوئے ڈشوں کے ڈھکن اٹھانے شروع کیے۔

''کوفتے، واہ بھئی مزہ آ گیا۔ بھابھی بیگم کے ہاتھوں کے کوفتے بھوک نہ بھی ہو تو بھی کھانے کو جی چاہنے لگتا ہے۔''

''چاچو! کوفتوں کے باؤل سے نگاہیں ہٹا کر پلیز سامنے بھی تو دیکھیں۔'' کوفتوں کی قصیدہ خوانی ہوتے دیکھ کر میرا دل فریادی ہو رہا تھا۔ خود سے میں اس بارے میں کوئی بات شروع کرنا نہیں چاہتی تھی اور چاچو تھے کہ انہیں اس ایک ناول کے سوا وہاں سب کچھ نظر آ رہا تھا۔

''ارے یہ کیا ہے، ہارڈی کا ناول؟ یہ کون پڑھ رہا ہے؟ آخر کار میری مشکل آسان ہو ہی گئی تھی۔ نوالہ منہ میں لے جاتا ان کا ہاتھ مارے حیرت کے اپنی جگہ ہی رک گیا تھا۔ ان کا حیرت سے گنگ ہو جانا اپنی جگہ بجا تھا، اس گھر میں ان کے علاوہ کتابوں کا شوقین کون پیدا ہو گیا تھا؟

''یہ ناول؟'' میں نے حیران نظر آنے کی بھرپور ایکٹنگ کی، ایسے جیسے میں نے بھی اسے ابھی ہی دیکھا ہو۔

''ہاں یاد آیا، یہ نبی پڑھ رہی تھیں ناں رات میں یہاں بیٹھ کر۔ اصل میں لائٹ مجھے ڈسٹرب کر رہی تھی اور نبی کو رات کو کچھ پڑھے بغیر نیند نہیں آتی۔ اس لیے وہ کتاب لے کر یہاں آ گئی تھیں۔'' (اگر کہیں اداکاری کا مقابلہ ہو تو میرا خیال ہے میں اس میں اول پوزیشن حاصل کر لوں گی۔)

ڈاکٹر چاچو کو یہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں نبی آ رہی تھیں جنہوں نے رات میرے ساتھ ''اسپائڈر مین'' دیکھی تھی اور جو یقیناً میری ہی طرح تھامس ہارڈی نام کے ان صاحب سے ناواقف ہی ہوں گی۔

1895ء میں چھپا تھا، یہ ناول ہارڈی کا آخری ناول ہے، تب مغرب کی قدریں اب سے بہت مختلف تھیں اسی لیے اس زمانے میں اس ناول پر بہت تنقید ہوئی تھی، بہت شور مچا تھا، کافی برا بھلا کہا گیا تھا اور اس بے تحاشا تنقید کا اثر تھا کہ ہارڈی نے آئندہ فکشن لکھنے سے انکار کر دیا تھا۔''

چاچو روانی سے بولتے بولتے چپ ہوئے پھر میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

''رہنے دو، میں غلط جگہ، غلط بات کرنا شروع ہو گیا۔''

چاچو سے غلط جگہ، غلط بات ہونے لگی تھی تو کیا ہوا کم از کم میں نے صحیح جگہ، صحیح بات کر دی تھی۔ پرسوں رات جو میں ہنی کا نام لے کر فلمیں اور گانے ان سے لائی تھی انہوں نے ہی ہنی کا امیج چاچو کی نگاہوں میں زبردست بنا دیا تھا۔ مزید اب یہ ناول، اس نے تو اس امیج کو چار چاند لگا دیے ہوں گے اور پھر سب کچھ اتنی ہوشیاری سے کہ اس میں مکاری کا گمان تک نہ ہو۔ فلموں اور میوزک کی وی سی ڈیز اور سی ڈیز کا چاچو پر اچھا اثر پڑا، یہ میں نے یوں جان لیا تھا کہ ہنی کو آئے ہفتہ دس دن ہو چکے تھے اور ان تمام دنوں میں چاچو نے ان سے سلام دعا اور انتہائی رسمی قسم کی خیریت سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کی تھی۔ ان دونوں کی ملاقات بھی اکثر صرف ناشتے اور ڈنر کی ٹیبل پر ہوا کرتی تھی۔ مگر کل رات کھانے کے دوران چاچو نے ہنی سے '' آپ ٹھیک ہیں، خیریت سے ہیں۔'' سے ہٹ کر ان کی جاب کے حوالے سے کافی تفصیلی گفتگو کی تھی۔ یہ ایک شعبہ ایسا تھا جس میں ہنی کی قابلیت میں کچھ شبہ نہیں تھا۔ انہوں نے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رکھا تھا اور ایک بہت ہی بڑے ادارے میں کافی اونچی پوسٹ پر فائز تھیں۔ ڈھیر سارے لوگ تو ان کے ماتحت کام کرتے اور ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ چاچو ان کی جاب اور پوسٹ سے خاصے امپریس نظر آئے تھے مگر اس سے پہلے جن بے شمار لڑکیوں سے انہوں نے شادی سے انکار کیا تھا گھاس تو وہ بے چاریاں بھی نہیں کھودا کرتی تھیں اور نہ ہی ان میں سے کسی نے چنے دے کر ڈگریاں حاصل کی تھیں۔ جاب سے ہٹ کر جب وہ ہنی سے فلموں، کتابوں اور میوزک والے موضوعات پر گفتگو کریں گے، پھر کیا ہوگا؟ چاچو کی توجہ میں نے ہنی کی طرف مبذول تو کروادی تھی مگر آنے والے وقت کا سوچ کر پریشان بھی ہو رہی تھی۔

☆

ہنی اور میں بیوٹی سیلون آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی لکس پر بہت توجہ دیتی تھیں۔ ہیئر اسٹائل، میک اپ، لباس، جیولری وہ ہر چیز کا بہت دھیان رکھتی تھیں۔ تھوڑے تھوڑے دنوں بعد وہ اپنے بالوں کا رنگ اور ان کی کٹنگ کا انداز تبدیل کرواتی رہتی تھیں اور سب سے بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ یہ تمام تبدیلیاں ان پر ہمیشہ اچھی لگا کرتی تھیں۔ آج وہ اپنے اسٹیپس میں کٹے بالوں کو شارٹ کروانے اور ان میں اسٹریکنگ کروانے آئی تھیں۔ مجھے تو ابھی صرف اتنی اجازت تھی کہ میں بالوں کی ٹرمنگ کروالوں یا پھر کلینزنگ کروالوں، باقی تھریڈنگ، ویکسنگ سب ابھی مجھ پر حرام تھیں۔

''جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں میڈیکل کالج پہنچے ہوئے، ابھی سے یہ سب کچھ شروع کیا تو شکل پر ''پکا پن'' آ جائے گا، ساری معصومیت ختم ہو جائے گی۔ ہر کام عمر کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔''

یہ ہماری امی کا فرمان تھا، بتایا تھا ناں میں نے امی موقع محل کے حساب سے میری چھوٹائی بڑائی میں تبدیلی کرتی رہتی تھیں۔

تازہ تازہ ہربل فیشل لینے اور بالوں کو خوب صورت سا اسٹائل دلوانے کے بعد جب ہنی میرے ساتھ سیلون سے باہر نکلیں تو کچھ اترا کر پوچھنے لگیں۔

''کیسی لگ رہی ہوں میں تنگی؟'' میں اتنی دیر سے ان کی خوب صورتی اور نزاکت پر غور کرتی انہیں دل میں سراہے جا رہی تھی مگر زبان سے

اس وقت میں کچھ اور بولنے کے موڈ میں تھی۔

''اچھی تو لگ رہی ہیں ہنی! پر کیا فائدہ اس خوبصورتی کا؟ آپ کے پاس آپ کی اس خوبصورت سی تبدیلی کو سراہنے والا کوئی ہے ہی نہیں۔ میں آپ کی طرح بے تحاشا خوبصورت نہیں پھر بھی جب کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ کوئی رنگ یا کوئی لباس مجھ پر اچھا لگ رہا ہے تو دل چاہتا ہے علی میری تعریف کرے اور جب وہ تعریف نہیں کرتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ آپ کا کبھی دل نہیں چاہتی کہ ''کوئی'' آپ کو سراہے، آپ کی خوبصورتی کی تعریف کرے؟ مجھے حیرت ہوتی ہے آپ پر، عورتیں اپنی تعریفیں سننے ہی کے لیے تو اتنا بناؤ سنگھار کرتی ہیں اور آپ؟ آپ کی تعریف بہت سے بہت میں کردوں گی، امی کردیں گی، کل آفس میں آپ کی فیمیل کولیگز کردیں گی کہ مرد کولیگز کو آپ نے زیادہ بے تکلف نہیں کیا ہوا۔''

میں نے بظاہر بہت سادہ اور عام سے انداز میں ان کی بات کا جواب دیا اور پھر ان کا جواب جاننے کی کوشش کیے بغیر گاڑی کی طرف بڑھی۔ ہنی ایک پل کو وہیں کھڑی رہ گئی تھیں۔ میں پچھلے کئی دنوں سے ان کی دکھتی رگ پر اسی طرح ہاتھ رکھا کرتی تھی۔ وقتاً فوقتاً باتوں باتوں میں بڑے دل دکھانے والے انداز میں اس طرح کی باتیں ان سے کہتی۔ ان کے سامنے جان بوجھ کر علی کا ذکر چھیڑتی، وہ مجھے نظرانداز کیوں کرتا ہے، مجھے کبھی کوئی گفٹ کیوں نہیں دیتا، کبھی کوئی فون کال کیوں نہیں کرتا جیسی باتیں کرتی اور جب وہ میرا مذاق اڑاتے ہوئے غیر سنجیدگی سے کوئی تبصرہ کرنے لگتیں تو میں انہیں۔

''آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں ان احساسات کو، آپ کو کیا پتا ان فیلنگز کا، نہ آپ کسی کی منگیتر ہیں نہ بیوی، آپ کیسے جان سکتی ہیں اس رشتے کے حوالے سے پیدا ہونے والی کیفیت کو، کبھی کسی نے آپ سے کمٹمنٹ کی ہوتی یا کبھی آپ نے کسی سے محبت کی ہوتی پھر آپ محبت اور کمٹمنٹ کے معنی سمجھ سکتی تھیں۔'' جیسے جملے کہتی اور وہ بظاہر ہنستے ہوئے میرے ان جملوں کا کوئی غیر سنجیدہ سا ہی جواب دے دیا کرتی تھیں پر میں ان کی آنکھوں میں پھیلی ناگواری، ہتک کا احساس دیکھ لیا کرتی تھی۔ میں ان سے یہ بات اتنے منہ پھٹ اور بدلحاظ انداز میں کہتی تھی ایسے جیسے وہ اس قابل ہی نہیں کہ کوئی ان سے محبت کرسکے اور میرا یہ دل دکھانے والا انداز بڑا کاری اور کامیاب وار کر رہا تھا ان کے دل پر۔

جو کام نانی اور امی کی ڈانٹ ڈپٹ، غصہ، ناراضی، خفگی اور برہمی نہیں کر پائی تھی وہ کام میرا غیر محسوس سا دل دکھانے والا طنز ''آپ اس قابل ہی نہیں کہ کوئی آپ سے محبت کرے۔'' بڑی کامیابی سے کر رہا تھا۔

نانی اور امی کو وہ زچ کیا کرتی تھیں اور میں انہیں زچ کر رہی تھی۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ بے چاری کھل کر اپنے غصے اور ناگواری کا اظہار تک نہیں کرسکتی تھیں۔ ان سے چودہ سال چھوٹی ان کی بھانجی انہیں یہ بتایا کرتی تھی کہ کوئی کمی تو یقیناً ان میں ہے تب ہی تو کبھی کسی نے ان سے محبت نہیں کی۔ ورنہ شادیاں تو بہت سے لوگ نہیں کرتے مگر ان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں کوئی ایسا ضرور آیا ہوتا ہے جس نے انہیں ان کے بہت خاص اور بہت حسین ہونے کا احساس دلایا ہوتا ہے، جس نے ان سے محبت کی ہوتی ہے۔

☆

''ہنی! بس آپ دس منٹ انتظار کریں مجھے کمپیوٹر پر تھوڑا سا کام ہے، میں یہ گئی اور یہ آئی۔ آپ تب تک یہ بک دیکھ لیں، بہت مزے کی ہے۔ جہاں پر میں بک مارک لگایا ہے یہ صفحہ تو ضرور ہی پڑھیں، ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جائیں گی۔'' ہنی اور میں روز کی طرح واک کے لیے جانے کا

ارادہ رکھتے تھے کہ میں نے انہیں اپنے ایک اسائنمنٹ سے متعلق کام کا حوالہ دے کر کچھ دیر رکنے کو کہہ دیا۔

''ہٹاؤ اس کتاب وتاب کو، میں تب تک ٹی وی دیکھ لیتی ہوں۔'' وہ ٹی وی آن کر کے میرے سارے پروگرام کو چوپٹ کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں آرہا ٹی وی پر، سارے چینلز خراب آرہے ہیں اور اسٹار پلس تو سرے سے لگ ہی نہیں رہا۔''

''یا اللہ، کہیں ہنی اٹھ کر چیک نہ کرلیں۔'' میں نے دعا مانگی۔ شکر تھا انہیں میری زبان پر اعتبار تھا، میرے جھوٹ کو سچ مان کر وہ واقعی مشتاق احمد یوسفی کی ''زرگزشت'' جو میں نے انہیں اسٹور والے خزانے ہی میں سے لا کر دی تھی دیکھنے لگیں۔ ڈاکٹر چاچو کے آنے کا ٹائم ہو چکا تھا پر وہ ابھی آئے نہیں تھے۔

''اتنا اچھا میں نے ماحول ترتیب دیا ہے وہ بھی بڑی مشکلوں سے۔ چاچو! پلیز جلدی آجائیں۔''

ہنی لاؤنج میں ایک کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں غلام علی کی غزلیں دھیمے سروں میں بج رہی ہیں۔ یہ غزلیں میں نے لاؤنج کے برابر والے کمرے میں لگائی تھیں اور ہنی یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید انہیں ابا سن رہے ہیں، کچھ بولی نہیں تھیں۔ یہ ایک پرفیکٹ سچویشن تھی، اب بس انتظار ڈاکٹر چاچو کا تھا۔

آخر کار ٹیرس پر سے میں نے ان کی گاڑی آتے دیکھ ہی لی۔ میں لاؤنج میں دانستہ چھ سات منٹ بعد آئی۔ ڈاکٹر چاچو ہنی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھیں ہنی کو بھی دیکھ رہی تھیں اور اس کتاب کو بھی۔ ''شاباش ویل، ڈن۔'' میں نے خود کو تھپکی دی۔ سلام دعا اور خیر و عافیت یقیناً ان کے درمیان ہو چکی تھی کیونکہ اب چاچو ان سے کسی اور موضوع پر بات کر رہے تھے۔

''ڈاکٹر چاچو! ہم لوگ تو کھانا کھا چکے، اگر آپ کہیں تو آپ کے لیے یہیں کھانا لے آؤں؟''

میں اتنے رومینٹک سین کو اتنی جلدی ختم نہیں کروانا چاہتی تھی۔

''کھانا تو میں کھا کر آیا ہوں، ہاں اگر تمہارا مہمان نوازی کا موڈ ہے تو ایک کپ چائے پلا دو۔''

''ہنی! آپ کے لیے بھی لے آؤں؟'' چائے کی تو وہ از حد شوقین تھیں، گہری نیند سے اٹھا کر بھی اگر انہیں چائے کا پوچھا جاتا وہ تب بھی انکار نہ کرتیں۔

پہلی مرتبہ میں کچن میں بڑی خوشی خوشی گئی۔ تین کپ چائے لے کر میں لاؤنج میں آئی۔ میں اس خوبصورت سچویشن میں ہڈی بننا نہیں چاہتی تھی مگر ہنی سے ڈر بھی تو لگتا تھا، اگر ان کے منہ سے کچھ الٹا سیدھا نکل گیا تو میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ ڈاکٹر چاچو کے بارے میں تو پتا تھا وہ ہنی سے اس طرح کے کوئی سوال وجواب نہیں کریں گے جیسے کسی بھی ان محترمہ سے کرتے جو انہیں شادی کے لیے کچھ اچھی لگا کرتیں، عموماً ان کے سوالات ایسے ہوتے تھے۔

''آپ شاہ رخ کو زیادہ بڑا اداکار مانتی ہیں یار۔ تھک کو؟''

''روشن آرا بیگم، بڑے غلام علی، مہدی حسن وغیرہ پتا نہیں کس طرح کے لوگ انہیں پسند کرتے ہوں گے، آپ کا کیا خیال ہے؟''

''سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں اب کتابیں پڑھنا تو نری حماقت اور وقت کی بربادی ہے، یہ دور تو انٹرنیٹ کا دور ہے۔''

ہنی کا امیج میں نے ان کی نگاہوں میں اتنا زبردست بنا دیا تھا کہ وہ شک وشبہ میں مبتلا ہو کر انہیں چیک کرنے کو ایسی کوئی بات کر ہی نہیں سکتے تھے پرہنی اگر کچھ بے تکا بول جاتیں پھر؟

''Jude کے اوپر اتنا شور نہ مچتا اور اتنی بے تحاشا تنقید نہ ہوتی تو ہارڈی یقیناً مزید کئی ناولز لکھتا۔'' میں نے اندر آتے ہوئے سنا۔

ہنی حیران پریشان نگاہوں سے ڈاکٹر چاچو کو دیکھ رہی تھیں۔ چاچو کو ان کے جوابات کی ضرورت نہیں تھی وہ اس وقت خود ہی بولنے اور ہارڈی کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچانے کے موڈ میں تھے۔

''کردار نگاری اور منظر نگاری میں ہارڈی کا جواب نہیں۔ اس کے کردار زندہ، جیتے جاگتے انسان نظر آتے ہیں جن میں اچھائیاں بھی ہیں، برائیاں بھی، خیر اور شر دونوں پہلوان میں پائے جاتے ہیں اور ان کے جذبات، ان کی سوچیں، ان کے رویے سب کتنے حقیقت سے قریب ہوتے ہیں چاہے وہ

''Jude the obscure'' کا ''Jude Gawlev'' The mayor of Casterbring کا Michael Henchard ہو یا ''Tess of the dUrbervilles'' کی ''Tess'' ہو، سب حقیقی کردار نظر آتے ہیں۔ حالانکہ بہت سے لوگ اس کی اتنی بے تحاشا منظر نگاری کو یہ کہہ کر تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ قاری کہانی میں آگے کیا ہوا، جاننا چاہتا ہے مناظر کی خوبصورتی نہیں مگر میری رائے میں یہ ہارڈی کی بہت بڑی خوبی ہے۔ وہ جہاں خود ہے، جو کچھ اپنے قاری کو دکھانا اور محسوس کروانا چاہتا ہے وہ وہاں قاری کو لے جاتا ہے، اسے بھی وہی قدرتی حسن نظر آنے لگتا ہے جو مصنف کی آنکھ نے دیکھا اور اپنے قاری کو دکھانا چاہا تھا۔''

''یہ محترم ہارڈی ہیں کون؟ اور ان کے متعلق مجھے کیوں بتایا جا رہا ہے؟'' ہنی ان ہی نگاہوں سے ڈاکٹر چاچو کو دیکھ رہی تھیں۔ قبل اس کے کہ چاچو ان نگاہوں کو دیکھ پاتے میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان دونوں کو چائے پیش کر دی۔

چائے پینے کے دوران میں نے گفتگو کو دوبارہ ہارڈی کی طرف جانے نہیں دیا تھا۔ چائے پی کر چاچو اپنے کمرے میں چلے گئے اور ہم دونوں واک کرنے نکل آئے۔

''یار! تیرے چاچو کچھ کھسکے ہوئے سے نہیں ہیں، شاید اتنا زیادہ پڑھ لینے کے بعد لوگ ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔''

''اللہ نہ کرے، بلاوجہ آپ میرے جینئس چاچو کو کھسکا ہوا کیوں کہہ رہی ہیں؟'' میں نے جھٹ برا ماننے والا انداز اختیار کیا اور ہنی کو قدرے ناراضی سے دیکھا۔ مجھے برا مانتا دیکھ ہنی نے اس بارے میں مزید کچھ نہ کہا۔

''آپ پر یہ پنک کلر کتنا اچھا لگ رہا ہے ہنی! مگر کیا فائدہ۔'' میں ایک درد بھری ٹھنڈی آہ بھری اور پھر قصداً مکمل خاموشی سے واک کرتے رہے۔

''آپ کو کیا پتا، آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں، آپ بھی کسی کو اچھی لگی ہیں؟'' جیسی باتیں میں ہنی سے اتنی کثرت سے کرنے لگی تھی کہ اب وہ

جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بالکل خاموش ہو جایا کرتی تھیں۔ میں ڈاکٹر چاچو اور ہنی دونوں کو ساتھ ساتھ کتنی کامیابی سے لے کر چل رہی تھی۔ اپنے زرخیز دماغ کو میں نے داد و تحسین سے نوازا۔ وہاں سے پرپوزل آ جائے اور یہاں سے پرپوزل قبول کر لیا جائے، یہی میرا مشن تھا۔

گھر واپس آ کر ابھی ہم دونوں اپنے کمرے میں آئے ہی تھے، ڈاکٹر چاچو نے دروازے پر دستک دی۔

''یہ کتاب میں نے ابھی ختم کی ہے، سوچا آپ کو بھی پڑھنے کے لیے دے دوں، اگر آپ نے ابھی نہیں پڑھی تو ضرور پڑھیں، اچھی کتاب ہے۔'' وہ میڈیلین البرائٹ کی ''MADAM SECRETARY'' تھی۔ کتاب ہنی کو دے کر چاچو واپس چلے گئے تھے۔

''تمہارے چاچو کو یہ وہم کب سے ہو گیا کہ مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟'' ہنی نے تعجب سے مجھے دیکھا۔

''آپ کو نہیں ہے تو کیا ہوا، خود ڈاکٹر چاچو کو تو ہے نا۔ آپ کو یہ کتاب انہوں نے مہمان نوازی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے دی ہے۔ اگرچہ کہ اپنی کتابوں کے معاملے میں وہ کافی حساس بلکہ بدتمیزی کی حد تک روڈ ہیں، ہر کسی کو دیتے نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ یہ غیر معمولی سلوک شاید امی کی بہن اور میری خالہ سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔''

میں نے ''غیر معمولی'' کے لفظ پر جان بوجھ کر خاص زور دیا تھا۔ ہنی نے چونک کر مجھے دیکھا، میں انجان بنی بالوں میں برش چلا رہی تھی۔

''سب مہمانوں کے ساتھ وہ اتنے خوش اخلاق اور مہمان نواز نہیں ہوتے۔ پچھلے مہینے ابا اور ڈاکٹر چاچو کی ایک کزن امریکہ سے آئی تھیں۔ پورے دو مہینے وہ ہمارے گھر میں رہیں اور جاتے وقت ڈاکٹر چاچو سے اس بات پر بہت ناراض ہو کر گئیں کہ انہوں نے انہیں بالکل بھی وقت نہیں دیا۔''

میں نے بستر پر آ کر لیٹتے ہوئے قدرے لاپرواہ اور بے نیاز سے لہجے میں جملہ کہا اور پھر کروٹ بدل کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

جس غیر معمولی خوش اخلاقی کا احساس میں ہنی کو دلوانا چاہ رہی تھی، چاچو نے اگلے ہی روز اس کو مزید کنفرم کر دیا تھا۔

میں نے بالکل آخری لمحوں میں ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی۔

''ثنا کا فون آیا تھا ابھی۔ کل ڈاکٹر عزیز کا ٹیسٹ ہے، میں دو دن سے کالج جا نہیں رہی تھی۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا۔'' میرے اتنے شاندار اور بروقت بہانے نے جو کہ میں نے پہلے ہی سے سوچا ہوا تھا ہنی کے تمام اعتراضات کو بیک جنبشِ قلم رد کر دیا۔

''میں اکیلی جاؤں، کیسا لگے گا نگی!'' انہوں نے ہچکچاتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''کیسا لگے گا کیا۔ یہ دعوت دی تو بنیادی طور پر ڈاکٹر چاچو نے آپ ہی کو تھی، مجھے تو یونہی اخلاقاً شامل کر لیا تھا۔ مہمان تو آپ ہیں نا ہمارے گھر پر اور چاچو شامِ غزل کے ٹکٹس آپ ہی کی وجہ سے لائے ہیں۔ مجھ سے اور امی سے دو تین روز پہلے کہہ رہے تھے کہ ہانیہ ہمارے گھر مہمان ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی انہیں کہیں پر بھی لے کر نہیں گیا۔''

ایک بات جو چاچو نے سرے سے کبھی نہ مجھ سے، نہ امی سے کہی ہی نہیں تھی وہ میں نے ہنی کے سامنے انتہائی معصومیت اور سادگی سے کہی۔ ویسے چاچو نے یہ بات کہی نہیں تو کیا ہوا، لائے تو واقعی وہ یہ ٹکٹس ہنی ہی کی وجہ سے تھے۔ گھر والے اور خود ہنی اس پر چونکیں اس لیے وہ دو کے

بجائے تین ٹکٹس لے آئے تھے۔

''پی سی میں ایک شام فیض کے نام منائی جارہی ہے۔ ٹینا ثانی اور نیرہ نور فیض کی غزلیں اور نظمیں گائیں گی۔ میں نے وہاں کے ٹکٹس منگوائے ہیں۔ ہانیہ! آپ چلیں گی، نگار تم چلوگی؟''

ڈاکٹر چاچو نے رات کھانے کے دوران مجھ سے اورہنی سے یہ بات کہی۔ میں تو واقعی طفیلی ہی تھی۔ چاچو جانتے تھے کہ غزلوں کا اور میرا سرے سے کوئی واسطہ نہیں پھر بھی مجبوراً انہیں سب کی حیرتوں کا منہ بند رکھنے کے لیے مجھے بھی شامل کرنا پڑا تھا۔ اس وقت میں نے بڑے زور وشور سے گردن ہلا کر اقرار کیا تھا اور آج جب جانے کے لیے ڈاکٹر چاچو اورہنی تیار بھی ہو چکے تھے اور خود میں بھی کپڑے بدل چکی تھی تب بڑی مجبوری والی شکل بنا کر یہ عذر پیش کر دیا تھا ہنی چاچو کے ساتھ اکیلے جاتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔ یہ ہچکچاہٹ اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ جانا تو چاہتی ہیں۔

تھی نا حیرت کی بات ہنی اور غزلیں سننے کے لیے جانا...... واقعی اس دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے یعنی امید کی جاسکتی تھی کہ ہنی آنے والے وقت میں ایک لنگور، سوری ڈاکٹر چاچو کے لیے اور بھی کافی کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گی۔ ابا نے مداخلت کر کے اس پروگرام کو کینسل ہونے سے روک دیا تھا۔

''نگی نہیں جارہی تو تم لوگ کیوں اپنا پروگرام خراب کر رہے ہو، جب پروگرام بنایا ہے تو جاؤ۔''

ابا کے اصرار نے ہنی کو جانے پر آمادہ کر دیا اور چاچو کے چہرے پر سے اس فکر کو بھی دور کر دیا کہ کہیں ہنی جانے سے معذرت نہ کر لیں۔

ان دونوں کو تنہا بھیجنے کا میرا منصوبہ تو کامیاب ہو گیا تھا مگر اب یہ فکر بھی ہلکان کیے دے رہی تھی کہ ہنی وہاں کلاسیکل میوزک کی شان میں کچھ الٹا سیدھا نہ بول دیں یا میوزک پر اپنی انتہائی گھٹیا (چاچو کے حساب سے) معلومات نہ ان کے گوش گزار کر دیں۔ کلاسیکل پر ہنی کی معلومات صفر تھیں اور اس کے بارے میں ان کے خیالات ضبط تحریر میں لائے جانے کے لائق نہیں اور جو اگر چاچو کو ان کی کسی بات سے یہ شک ہو گیا کہ فلموں، کتابوں اور میوزک کے معاملوں میں وہ کس ''قسم'' کا ذوق رکھتی ہیں تو میری اتنے دنوں کی محنت پر پانی پھر جائے گا۔

میں بار بار گھڑی دیکھے جارہی تھی۔ ''اللہ میاں سب ٹھیک رہے ہنی اپنا منہ بند رکھ کر سارا پروگرام انجوائے کریں اور ان دونوں کے درمیان ذرا بے تکلفانہ ماحول میں ذاتی نوعیت کی گفتگو بھی ہو جائے۔'' ایسی باتیں جو میری موجودگی میں قطعاً ممکن نہیں تھیں اور نہ ہی گھر پر بھی ہو سکتی تھیں۔''

کافی دیر ہو چکی تھی، میرے حساب سے اب ان دونوں کو گھر واپس آجانا چاہیے تھا۔ سر پہ یہ فکر مسلسل سوار تھی کہ کہیں سارا بنا بنایا کھیل خراب نہ ہو جائے۔

اسی فکر میں مبتلا ہو کر میں نے ہنی کو ان کے موبائل پر کال کرنے کا فیصلہ کیا۔ پتا تو چلے وہ دونوں اس وقت کہاں ہیں اور آیا سب کچھ ٹھیک ہے یا نہیں۔

میں نے ہنی کا موبائل نمبر ملایا اور جیسے ہی انہوں نے کال ریسیو کی، میں ان کے کچھ بولنے سے پہلے حسب عادت اٹھلا کر بولی۔

''میں آپ کی سویٹ ہارٹ بول رہی ہوں۔''

''جی بولیے۔'' دوسری جانب سے ایک مردانہ آواز نے میرے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے، چودہ طبق روشن کر دیے، حواس مختل کر دیے اور شرمندگی کے مارے میری یہ حالت کر دی کہ میں چند لمحے تو کچھ کہہ بھی نہیں پائی۔

''آئم سوری، مجھ سے شاید رانگ نمبر......'' میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہنا چاہا پر دوسری جانب سے برجستہ میری بات کاٹ دی گئی۔

''یہ سو فیصد رائٹ نمبر ہے۔'' یہ آواز تو کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

''ع......لل......ی ی۔'' میں نے اس کے نام کے کئی ٹکڑے کر دیے۔ ہنی کے موبائل پر یہ موٹا آلو کیا کر رہا تھا۔ بوکھلاہٹ میں اور تو کچھ سمجھ میں آیا نہیں میں نے بس جلدی سے لائن کاٹ دی۔

''یہ کیا بکواس کر دی میں نے اس کمینے سے۔ پتا نہیں اس اسٹوپڈ نے کیا سوچا ہوگا۔ کہیں بلاوجہ موصوف کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔'' ابھی میں فون کے پاس کھڑی خود پر تاؤ کھاتی یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔

''تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا گی!''

''میں سمجھی شاید کہیں اور لائن مل گئی۔'' میں نے ہنی سے بہانہ بنایا۔

''میرے دوپٹے پر سالن گر گیا تھا، میں ریسٹ روم میں اسے صاف کرنے گئی تھی، اس لیے کال علی نے ریسیو کر لی۔ ہم لوگ اس وقت ڈنر کر رہے ہیں نا۔''

ہنی اور ڈاکٹر چاچو کو تنہائی مہیا کرنے کے لیے تو میں ان کے ساتھ نہیں گئی تھی اور یہ بگ شو وہاں کیا کر رہا تھا۔ واقعی پیٹو ہے، کمینہ، جہاں کھانے پینے کی بات آئی یہ وہاں آموجود ہوا۔

''تم نے فون کیسے کیا تھا، کوئی بات ہے کیا؟'' ہنی نے مجھے جلنے بھننے سے روکا۔

''نہیں......یونہی......میں سوچ رہی تھی کہ کافی دیر ہوگئی، ابھی تک آپ لوگ واپس کیوں نہیں آئے، بس اس لیے۔''

ہنی سے بات ختم کرنے کے بعد میں اپنے کمرے میں آگئی۔ علی سے کچھ دیر پہلے جو انتہائی بیہودہ بکواس میں نے کر دی تھی اب رہ رہ کر اس پر غصہ آئے چلا جا رہا تھا۔

''واقعی تم نے علی سے یہ بولا تھا۔'' ہنی کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔

''مجھے کیا پتا تھا وہ منحوس کال ریسیو کرے گا آپ کے موبائل پر، آپ ہی کو کال ریسیو کرنی چاہیے تھی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''مگر ریسیو کر لی تمہارے بگ شو نے۔ واہ مزا آ گیا۔ علی نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ تب ہی تو میں جب واپس آئی تو وہ بلاوجہ مسکرا رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا یہ پاگل واگل ہے جو خوامخواہ مسکرائے جا رہا ہے، اب معلوم ہوا وہ کس بات کو انجوائے کر رہا تھا۔''

ہنی کے ''انجوائے'' کے لفظ نے مجھے مزید آگ لگائی تھی۔ میں کوئی ظلِ الٰہی کے دربار کی مسخری تھی جس کی باتوں کو وہ انجوائے کرے لیکن اب غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، غلطی تو بہرحال میری ہی تھی۔ دوسری طرف کی آواز سنے بغیر مجھے کچھ بولنا نہیں چاہیے تھا۔ میں نے دل میں پکا ارادہ کیا کہ آئندہ ہنی کے موبائل پر ان کے ہیلو کہنے سے پہلے کچھ بھی نہیں بولا کروں گی۔

''آپ لوگوں کی شامِ غزل کیسی رہی؟'' اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آ گئی تھی۔

''بہت زبردست۔'' میں نے سر سے پاؤں تک ہنی کو بغور دیکھا۔

''ہنی! آپ کو غزلیں سننے میں مزا آیا؟''

''یار! وہاں کا ماحول بہت اچھا تھا۔ لوگ بھی سارے بڑے ڈیسنٹ قسم کے آئے ہوئے تھے اور غزلیں کوئی اتنی بری چیز بھی نہیں ہوتیں پھر نیرہ نور کی آواز کے تو کیا کہنے۔ شاعری سمجھ میں نہیں آرہی تھی پر اس کی آواز واقعی بہت سریلی ہے۔''

میں جان بوجھ کر معنی خیز نگاہوں سے ہنی کو دیکھتے انہیں کنفیوژ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پروگرام ختم ہونے کے بعد ہم وہاں سے نکل رہے تھے تب علی سے ملاقات ہوگئی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں آیا ہوا تھا۔ فہد نے اسے بھی ڈنر کرنے کی دعوت دی تو وہ بھی ہمارے ساتھ ڈنر کرنے آگیا۔'' آج ڈاکٹر چاچو ''تمہارے چاچو'' اور ''تیرے چاچو'' کے بجائے فہد کہلائے جارہے تھے۔ بڑا نیک شگون تھا۔

''تمہارے چاچو نے اب تک شادی کیوں نہیں کی نگی!'' ہم دونوں سونے کے لیے لیٹ چکے تھے جب میری سماعتوں سے ہنی کا یہ سوال ٹکرایا۔

یہ سوال کرتے وقت شاید انہیں فہد کہنا مناسب نہیں لگا تھا اس لیے ایک بار پھر تمہارے چاچو کا لقب استعمال کیا۔

''ان کے ساتھ بھی آپ والا مسئلہ ہے ہنی! انہیں ایسی بیوی چاہیے جو ان کی ذاتیات میں مداخلت نہ کرے۔ مثلاً یہ کہ جس وقت وہ کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں یا اپنی پسند کی کوئی مووی دیکھ رہے ہوں تو وہ ان کے سر پر سوار ہونے کے بجائے خود بھی اپنی پسند کا کوئی کام کرے۔ اب میاں بیوی ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ چوبیس گھنٹے ایک دوسرے کے اعصاب پر سوار رہا جائے۔ ہر انسان کو اپنی مرضی کے حساب سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہونا چاہیے، شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ یہی ہے ڈاکٹر چاچو کی سوچ۔''

لوہا گرم تھا، میں نے ڈاکٹر چاچو کے شادی نہ کرنے کی وجہ ہنی کی پسندیدہ ترین وجہ ہی بتائی۔ وہ بھی تو ایک لنگور کو سر پر سوار نہ کرنے کی خاطر شادی سے انکار کیا کرتی تھیں۔

''اب تو آپ مانتی ہیں ہنی! ڈاکٹر چاچو آپ کے ساتھ کتنی زیادہ مہمان نوازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ بلاوجہ پرسوں انہیں کھسکا ہوا کہہ رہی تھیں۔''

میں نے خاص قسم کی معصومیت کا مظاہرہ کرکے ڈاکٹر چاچو کے غیر معمولی سلوک کو بظاہر مہمان نوازی کا نام لے کر بھی اس میں کافی غیر معمولی پن برقرار رکھا اور اس پر ہنی کو مزید سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتی خود اطمینان سے کروٹ بدل کر سوگئی۔

☆

بڑے ہمیشہ اپنے سے چھوٹوں کو کم عقل سمجھتے ہیں جیسے ڈاکٹر چاچو اور ہنی۔ دونوں کی نگاہوں میں میں ابھی بچی اور بے وقوف ہوں اور اسی بچی نے کتنے مزے سے ان دونوں پاگل پاگل سے لوگوں کو ایک دوسرے کو توجہ دینے، اہمیت دینے اور ایک دوسرے کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میری نیت صاف تھی نا اس لیے منزل تو آسان ہونی ہی تھی۔

میں ثنا کے گھر سے واپس آئی تو لان میں کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے ڈاکٹر چاچو اور ہنی کو دیکھ کر میں نے بے ساختہ سوچا، اب جب ہنی ڈاکٹر چاچو کی طرف اس حد تک متوجہ ہو چکی تھیں تو مجھے یہ خطرہ بھی نہیں رہا تھا کہ وہ کتابوں، فلموں اور میوزک پر ایسی کوئی بے تکی بات ان سے کریں گی جو سب کیے کرائے کو برباد کر دے۔ ان کے ساتھ غزلوں کا پروگرام اٹینڈ کر کے، ان کے منہ سے کتابوں کی باتیں کثرت سے سن کر ہنی جیسی سمجھ دار خاتون اتنا تو سمجھ ہی گئی تھیں کہ ان تمام چیزوں کے بارے میں ڈاکٹر چاچو کی سوچ کس قسم کی ہے۔ ڈاکٹر چاچو اس وقت ان سے MOZART, CHOPIN, LISZT اور BEETHOVEN جیسے نامور PIANISTS کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ بتا رہے تھے کہ دو سال پہلے VIENNA صرف اس لیے گھومنے گئے تھے کہ وہ MOZART اور BEETHOVEN کا شہر ہے اور وہاں جا کر وہ اس کلاسیکل میوزک کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ محسوس کرنا چاہتے تھے۔ ہنی کتنے صبر و سکون سے یہ ساری باتیں سن رہی تھیں جبکہ ان کی بلا بھی نہیں جانتی ہو گی کہ MOZART تھا کون؟ وہ کہتی تھیں کہ کبھی کسی کو اپنے سر پر اس طرح سوار نہیں کروں گی کہ سوؤں، جاگوں، کھاؤں، پیوں سب ان کی مرضی سے۔ سر پر تو انہوں نے ایک بندے کو سوار کر ہی لیا تھا تب تو اتنے اطمینان سے بیٹھ کر وہ باتیں سن رہی تھیں جن سے انہیں دور دور تک کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اپنے منصوبے کی کامیابی پر جتنا بھی مسکراتی اور سرشار ہوتی کم تھا۔ اب اس رشتے کی بات کسی نہ کسی طرح مجھے ابا کے کان میں ڈالنی تھی۔

میں اپنی سوچوں پر مسکراتی اور اپنے منصوبے کی کامیابی پر گنگناتی سیڑھی پر قدم رکھ ہی رہی تھی کہ لان سے آتی ڈاکٹر چاچو کی آواز نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی آواز میں چونکانے والا کچھ نہیں تھا۔ چونکی بلکہ ٹھٹکی اور بوکھلائی تو میں ان کے جملے پر تھی۔

''میں آپ سے فرنچ میوزیشنز اور اٹالین میوزیشنز کے فرق کی جو بات کر رہا ہوں اسے آپ نے ان سی ڈیز میں ضرور نوٹ کیا ہو گا جو نگار مجھ سے لے کر گئی تھی۔ سنی تھیں آپ نے وہ سی ڈیز؟'' میری گنگناہٹ، مسکراہٹ سب اڑن چھو ہو گئی تھی۔

''کون سی سی ڈیز؟'' میں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ہنی کا متحیر سا استفسار سنا۔

''نگار لے کر گئی تھی نا مجھ سے آپ کے لیے۔''

''میرے لیے، کب؟'' میں تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی لاؤنج میں آئی اور وہاں سے سیدھی اپنے کمرے میں۔ اپنے جس منصوبے کی کامیابی کا ابھی چند لمحے پہلے جشن منا رہی تھی اس کا بھانڈا اتنی بری طرح پھوٹا تھا کہ میرا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔

کاش اس روز چاچو کے سامنے ہنی کا امپریشن جمانے کو میوزک والی سی ڈیز نہ لائی ہوتی۔ چاچو جیسے بھلکڑ مہینہ بھر پرانی اس بات کو اس وقت یاد کریں گے ایسا تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔

کمرے میں منہ چھپا کر لیٹی میں ڈاکٹر چاچو اور ہنی کے ہاتھوں اپنی متوقع شامت کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جب بات کھلے گی تو ایک ایک بات کھلے گی۔ زرگزشت، Hardy، غلام علی، آنند، Bare foot، شامِ غزل، میری ہر بات ان دونوں کے حساب سے تو میں نے سیدھا سیدھا انہیں بے وقوف بنایا تھا اور اس پر میرا کیا حشر ہونے والا تھا۔ ذرا دیر کو اپنی ذہانت اور چالاکی پر غرور کیا تھا اور اللہ نے اس غرور کی فوراً سزا بھی دے دی۔ میں رات تک کمرے میں چھپی رہی۔ ہنی کمرے میں ابھی تک نہیں آئی تھیں اور اس چیز نے مجھے مزید پریشان کر دیا تھا۔

"ڈاکٹر چاچو آپ کو بلا رہے ہیں بجو!" بہروز کے اس پیغام نے میرے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ ڈاکٹر چاچو نے کبھی بھی مجھ پر غصہ نہیں کیا تھا اور آج شاید انہوں نے مجھ پر بہت زیادہ ناراض ہونا تھا۔

"جی ڈاکٹر چاچو۔" کب تک چھپ کر بیٹھ سکتی تھی، مجھے ان کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

"آئیے آئیے، تشریف لائیے۔ آپ ہی کا انتظار تھا۔" ڈاکٹر چاچو نے طنزیہ لہجے اور نگاہوں کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ وہ اس وقت اپنی اسٹڈی میں تھے اور ان کے برابر والی کرسی پر ہنی بھی بیٹھی تھیں۔ خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورتی ہوئی۔ ہنی اور ڈاکٹر چاچو کو ناراض کرنے کے لیے تو میں نے یہ سب نہیں کیا تھا مگر اب اپنی صفائی کس طرح پیش کروں۔

"سنا ہے آپ بہت بڑی ہو گئی ہیں، اتنی بڑی کہ اپنے بڑوں کے ساتھ انتہائی بیہودہ مذاق بڑی آسانی سے کر لیتی ہیں بغیر کسی گھبراہٹ اور پریشانی کے۔" وہ کرسی سے اٹھ کر میرے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ کی پیاری ہنی کو رات میں کچھ پڑھے بغیر نیند نہیں آتی اور پڑھتی وہ لاؤنج میں آ کر اور پھر اپنی کتاب "اتفاقاً" اکثر بھول بھی جاتی ہیں۔"

"ڈاکٹر چاچو...... وہ...... میں...... پلیز۔" میں منمناتے اور گھگھیاتے اپنی نیک نیتی ثابت کرنا چاہتی تھی پر ڈر کے مارے منہ سے کوئی معقول بات نکل نہیں پا رہی تھی۔

"اپنے بڑوں کو اتنی مہارت سے بے وقوف بنا لیتی ہیں آپ! آپ کی اس اسمارٹ نیس پر آپ کو سیلوٹ کروں یا اکیس توپوں کی سلامی پیش کروں۔"

"ڈاکٹر چاچو! میں مانتی ہوں میں نے جھوٹ بولے لیکن سچی، میری نیت بالکل بری نہیں تھی۔ میں صرف یہ چاہتی تھی......"

"آپ چاہتی تھیں......؟ یعنی اب ہم وہ کیا کریں گے جو آپ چاہا کریں گی۔" ڈاکٹر چاچو نے طنزیہ انداز میں میری بات کاٹی پھر گردن موڑ کر ہنی سے بولے۔

"سنا آپ نے ہانیہ! ہمیں کیا کرنا ہے، اب اس کا فیصلہ زرنگار ساجد صدیقی کیا کریں گی۔"

میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ وہ دونوں غصے سے گھورتے ہوئے مجھے اپنی صفائی کا موقع دے ہی نہیں رہے تھے۔

"اب آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتی ہیں اور آئندہ اگر آپ "کچھ چاہیں" یا آپ کا کسی کو بے وقوف بنانے کو جی چاہے تو کوشش کیجئے گا وہ آپ کا ہم عمر اور ہم مرتبہ ہو۔"

انہوں نے دروازے کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے مجھے کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں مایوس اور غم زدہ اسٹڈی سے نکل آئی۔

"ہنی! آپ تو میری فرینڈ ہیں، پلیز آپ تو میری بات سنیں۔"

وہ سونے کے لیے کمرے میں آئیں تو میں ملتجی انداز میں ان کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"دوستی کا یہ مطلب نہیں ہوتا نگی! کہ انسان رشتوں کا احترام بھول جائے۔"

''نانی اور امی کی طرح میری بھی یہ خواہش تھی کہ آپ شادی کر لیں۔ ڈاکٹر چاچو ہر لحاظ سے آپ کے لیے بہترین لگے تھے مجھے۔ میری بس اتنی سی خواہش تھی کہ آپ کی ڈاکٹر چاچو سے شادی ہو جائے۔ آپ خالہ کے ساتھ ساتھ میری چاچی بھی بن جائیں اور ہمیشہ کے لیے ہمارے ہی ساتھ آ کر رہنے لگیں۔''

ہنی کے لیے میری وضاحتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

☆

اگلے روز میری سالگرہ تھی اور یہ سالگرہ یقیناً میری اب تک کی زندگی کی سب سے بری سالگرہ تھی۔ ہنی مجھ سے خفا، ڈاکٹر چاچو مجھ سے ناراض اور جو میرا خواب تھا ان دونوں کو ایک کروا دینے کا وہ ریزہ ریزہ۔ کیا خاک اچھی لگتی اپنی سالگرہ۔ اب تو سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ ہنی اور ڈاکٹر چاچو وہ میرا خوابوں میں دیکھا جانے والا پاگل پاگل سا کپل بنائیں گے۔ باقی تمام لوگوں نے مجھے وش کیا تھا سوائے ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے۔

میں اداسی سے بھرا دل لیے کالج آئی تو وہاں آسیہ میرا دل جلانے کو موجود تھی۔

''دیکھو آج نگار کو کیا گفٹ ملتا ہے علی سے۔'' اس وقت اس نے یہ ذکر کیوں نکالا تھا میں کیا ہمارا پورا گروپ جانتا تھا۔ پندرہ بیس روز پہلے گزری اپنی سالگرہ کا ذکرِ خیر کرنے کے لیے۔

''میری سالگرہ پر تمہارے ''بھائی'' مجھے کالج سے میری پسند کے ہوٹل میں لنچ کرانے لے گئے تھے اور وہیں پر گفٹ میں یہ گولڈ کی چین بھی دی تھی۔''

اس کی سالگرہ کا قصہ اتنا قدیم نہیں ہوا تھا جو ہم میں سے کوئی اسے بھول گیا ہوتا مگر اس اوچھی لڑکی کو تو موقع چاہیے ہوتا تھا اپنا اوچھا پن شو کرنے کا۔

''اصل میں آسیہ! ہماری منگنی ہو چکی ہے نا، پھر ہمیں گھر والوں سے چھپ کر باہر ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ علی کو جو گفٹ بھی دینا ہو گا وہ مجھے گھر پر آ کر دے گا۔''

میں نے بظاہر بہت مسکراتے ہوئے دوستانہ اور ہلکے پھلکے لہجے میں ایسی بات کہی جس نے ظاہر ہے اسے آگ لگا دینی تھی۔ میری صاف گوئی پر اس کا منہ بن گیا تھا مگر وہ مجھے فوراً کوئی جواب نہیں دے پائی تھی۔ آسیہ کو تو اپنی حاضر جوابی سے چپ کروا دیا تھا مگر میں جانتی تھی کہ گفٹ تو بہت دور رہا وہ موٹو مجھے ہیپی برتھ ڈے تک نہیں بولے گا۔

''جس بجھے دل سے کالج گئی تھی اس سے بھی زیادہ بجھے دل سے گھر واپس لوٹی تھی۔ حالانکہ موسم برسات کا تھا۔ ساون کا موسم پتا نہیں کن لوگوں کا دل خوش کرتا ہے مجھے یہ بارش نری زہر لگ رہی تھی۔

گھر میں داخل ہوئی تو وہاں غیر معمولی چہل پہل اور ہنگامہ تھا۔ دادی، امی، روحیل، بہروز اور مبشر سب بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ اور تو اور میں کیچڑ میں لتھڑے جوتے لیے اندر آ گئی تو امی نے مجھے کچھ نہ کہا یہاں تک کہ گھورا بھی نہیں۔

''یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟'' ماجرا جاننے کے لیے مجھے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا تھا، امی کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ انہوں نے میرے پوچھنے سے پہلے ہی خوشی کی بات مجھے بھی بتا ڈالی۔

''فہد ہانی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ہانی کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ ابھی ابھی ہم نے اسلام آباد تمہاری نانی کو فون کیا تھا، بس ساری رسمی سی کارروائی ہے۔ دولہا دلہن تو راضی ہیں اور باقی کسی کے اعتراض کا سوال اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ دولہا دلہن بڑی مشکلوں سے راضی ہوئے ہیں اور ان کے کسی بھی لمحہ بدک جانے کا خدشہ اپنی جگہ موجود ہے۔ لہٰذا طے کیا جا رہا ہے کہ ان کے بدکنے سے پہلے پہلے سب کچھ جھٹ پٹ کر ڈالا جائے۔''

خوشی کی غیر متوقع خبر پر پہلے پہل غیر یقینی سی کیفیت ہوتی ہے ناں؟ سو یہی میرے ساتھ ہوا تھا مگر جیسے ہی اس بے یقینی سے نکلی بے اختیار چھلانگیں مارتی، نعرے لگاتی اچھلنے کودنے لگی۔

''یاہو'' میری محنت رنگ لے آئی تھی۔ کل کتنا ڈرامہ کر رہے تھے دونوں میرے سامنے۔ میرا جھوٹ پکڑا گیا اور ساری بات کھلی تب ہی دونوں ادب و آداب سے نکل کر ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی کا واضح اظہار کر پائے یعنی ذریعہ تو میں ہی بنی۔ تو آخر پاگل ڈاکٹر چاچو اور پاگل ہنی ایک ہونے کو آمادہ ہو ہی گئے تھے۔ میں یونہی اچھلتی کودتی ہنی کے پاس پہنچی۔

''بڑی اکڑ دکھا رہی تھیں کل، پسند تو دل و جان سے آچکے تھے میرے ڈاکٹر چاچو.....'' ہنی کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

''اوہو شرمایا جا رہا ہے۔''

''نگی!'' ہنی نے مصنوعی خفگی سے مجھے گھورا۔

''ہنی! اب آپ اپنا پسندیدہ پھل سیب پہلی فرصت میں کھانا چھوڑ دیجئے ورنہ ڈاکٹر صاحب آپ سے دور ہو جائیں گے۔''

میرے پلان میں کچھ نقائص تھے بھی تو کیا ہوا انجام کار نتیجہ تو میری خواہش کے مطابق ہی نکلا تھا۔ بے تحاشا خوشی ایسی تھی کہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ہنی میری ایکسائٹمنٹ پر مسکرا رہی تھیں۔

''تو اب مس ہانیہ بانو ایک عدد لنگور کو اپنے سر پر سوار کرنے کے لیے تیار ہو گئی ہیں۔'' میں انہیں چھیڑنے کے زبردست موڈ میں تھی۔ اتنی آسانی سے ان کا پیچھا چھوڑ دینے والی تو میں ہرگز نہیں تھی۔

''ہنی! اب آپ کی باتیں میرے سر میں درد کیا کریں گی۔ آپ کے پسندیدہ ٹاپکس میاں کے دکھڑے، بچوں کی بیماریاں اور ساس نندوں کی چغلیاں ہوا کریں گے لیکن آپ ساس نندوں کی غیبتیں مجھ سے کیسے کریں گی میں تو خود آپ کے سسرالیوں سے ہو جاؤں گی۔''

ہنی نے اپنی بے ساختہ ہنسی چھپاتے ہوئے مجھے گھور کر دیکھا۔

''اچھا اب تم زیادہ پھیلو مت، مجھے نماز پڑھنی ہے تم چلتی پھرتی نظر آؤ یہاں سے۔''

بڑے ہونے کا رعب دکھاتی وہ وضو کرنے باتھ روم میں گھسیں تو میں اپنی چھیڑ چھاڑ کچھ دیر کے لیے موقوف کرتی کمرے سے نکل آئی۔

''میرا مقصد نیک تھا اس لیے سب کچھ خود بخود ہی ٹھیک ہو گیا تھا ورنہ ان دو پاگلوں کو جنہیں بڑے بڑے شادی کے لیے تیار نہیں کر پائے تھے میں کیونکر کر پاتی۔ میرا دل خوشی سے ناچنے، گانے اور جھومنے کو چاہ رہا تھا۔ میں سیڑھیاں پھلانگتی بڑی لے میں با آواز بلند گلوکاری کر رہی تھی۔ بھوک بھی ایک دم ہی بہت زبردست لگنے لگی تھی اور یہ بھی یاد آنے لگا تھا کہ اس رم جھم برستے موسم میں امی لنچ کے لیے قیمہ بھرے پراٹھوں کا اہتمام کر رہی ہیں۔ ذہن میں قیمہ بھرے پراٹھے تھے، دل میں خوشی تھی اور ہونٹوں پر نغمہ تھا۔

آئے موسم رنگیلے سہانے

جیا ناہی مانے

تو چھٹی لے کے آجا بالما ہو......

تو چھٹی لے کے آجا بالما

پھر میں کسی پہاڑ نما چیز سے بہت زور سے ٹکرائی تھی۔ ایک پل کو تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ لڑکھڑانے کے بعد خود کو گرنے سے بچاتی، آنکھیں کھول کر سامنے دیکھنے میں کامیاب ہوئی تو جو شخصیت نظر آئی اس وقت نہ اس کی توقع تھی اور نہ اس کی آمد کی کوئی ضرورت۔

''مجھے سریلی بیگم بننے کی ضرورت کیا تھی اور اس منحوس کو منہ اٹھا کر سیدھا اندر گھس آنے کی۔'' میں نے تلملا کر سوچا۔

پیچھے صوفوں پر بیٹھے روحیل اور بہروز محظوظ نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں اپنی ہنسی بمشکل روک رہے تھے اور ہنسی تو اپنی وہ کمینہ بھی روک رہا تھا۔ اسے ہنسی روکتا دیکھ کر مجھے مزید طیش آیا تھا۔

''ہٹو سامنے سے۔'' جب تک وہ پہاڑ سامنے سے نہ ہٹ جاتا میں آگے کیسے جا سکتی تھی۔ وہ سامنے سے میرے کہنے سے نہیں بلکہ امی کے آواز دینے سے ہٹا تھا۔ وہ اسے پیار سے آواز دے رہی تھیں۔

''آجاؤ بیٹا! گرم گرم پراٹھے ہیں، بس فوراً شروع ہو جاؤ۔''

وہ ''جی اچھا ممانی!'' کہتا پلٹا تو میں روحیل اور بہروز کے پاس آ گئی۔

''بجو! رنگیلے موسم میں بالما آئے تو ہیں مگر آپ سے ملنے نہیں، قیمہ بھرے پراٹھوں سے ملنے۔''

''میں نے بڑی بہن ہونے کا رعب دکھاتے ان دونوں کو گھور کر دیکھا۔ علی ہاتھ دھو کر آ چکا تھا اور اب میرے، روحیل اور بہروز کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا پراٹھوں سے شغل فرما رہا تھا۔

''آجاؤ تم لوگ بھی۔''

اس نے ہمیں ہمارے ہی گھر پر کھانے کی دعوت دی۔ ابھی تو اس گھر کا داماد بنا بھی نہیں ہے اور کیسا حق جتا کر یہاں بیٹھ کر ٹھونستا ہے منحوس، امی اسے گرم گرم پراٹھے لا کر دے رہی تھیں۔

روحیل اور بہروز اس کے ساتھ شریک تو ہو گئے تھے مگر ان بے چاروں کی کہاں پہنچ تھی اس تک۔ بہروز ڈیڑھ پراٹھا کھا کر بس کر چکا تھا اور

روحیل دو پراٹھے کھا کر اور وہ ہاتھی ایک، دو، تین، ساڑھے تین۔ مجھے گنتی کرتے کرتے گھبراہٹ ہونے لگی۔

''نگار! تم بھی آجاؤ، کیوں خوامخواہ نظر لگا رہی ہو۔''

''تم میری فکر مت کرو، میں کھالوں گی، آخر یہ میرے ''ابا'' کا گھر ہے۔''

نظر لگانے والی بات نے مجھے چڑایا تو میں نے اسے شرمندہ کرنے کو ابا کے لفظ پر خاصا زور ڈال کر جوابی حملہ کیا۔

وہ میری بات کا نوٹس لیے بغیر اطمینان سے پراٹھا کھاتا رہا۔ روحیل اور بہروز اس کے پاس ہی بیٹھ کر اب آم کھا رہے تھے۔ وہ نمکین کھا کر تو فارغ ہولے پھر میٹھے کی طرف آئے گا، اس کا مجھے یقین تھا۔

گیٹ پر بیل ہوئی تو میں دونوں بھائیوں کو آموں کے ساتھ مصروف دیکھ کر خود گیٹ پر آگئی۔ بارش ذرا ہلکی تو ہوئی تھی مگر پوری طرح رکی نہیں تھی۔ میں نے گیٹ کھولا۔

''ڈاکٹر زرنگار ساجد صدیقی یہیں رہتی ہیں؟'' سامنے کسی کوریئر سروس کا آدمی کھڑا تھا۔

''جی میں ہی ہوں۔''

''یہ آپ کے لیے آیا ہے۔'' میں ان پھولوں اور اس ڈبے کو جس میں میرے حساب سے شاید کیک ہونا چاہیے تھا تعجب سے دیکھتی یہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر نگار تو مجھے میری دوست اور کبھی کبھار چاچو کہتے ہیں۔ دوست ساری آج کالج میں وش کر چکیں، گفٹس دے چکیں پھر کیا چاچو نے بھجوایا ہے یہ..... میں نے دستخط کرنے کے بعد اپنے لیے آنے والی چیزیں وصول کیں اور گیٹ بند کر کے جلدی سے پھولوں کے ساتھ لگا کارڈ کھولا۔

Happy Birthday to my sweet heart.

Big Show

میں بارش سے بچنے کے لیے لاؤنج کی سیڑھیوں میں آگئی تھی اور وہیں کھڑے ہو کر میں نے کارڈ پڑھا تھا۔ شیشے کے اس پار مجھے Big show بالکل صاف نظر آرہا تھا۔ پراٹھے کھا چکنے کے بعد اب آموں کے ساتھ انصاف کرتا ہوا۔ اسے یہ کیسے پتا چلا میں اسے بگ شو (Big show) کہتی ہوں؟ اگر اس نے سویٹ ہارٹ نہ لکھا ہوتا تو میں اپنے بھائیوں پر شک کرتی کہ ضرور یہ ان میں سے کسی کی شرارت ہے مگر سویٹ ہارٹ والی بات صرف آپی کو پتا تھی اور وہ بہرحال یہ حرکت نہیں کر سکتی تھیں۔ میرا گفٹ جو انہوں نے آج مجھے دینا تھا میں ابھی کمرے میں رکھا ہوا دیکھ آئی تھی۔ اس کا مطلب ہے یہ واقعی اس نے بھیجا ہے۔

میں لاؤنج میں آئی۔ روحیل، بہروز اور دادی جو ابھی وہاں آکر بیٹھی تھیں تینوں نے ایک ساتھ مجھے دیکھا جبکہ وہ آم کاٹنے اور کھانے میں مصروف رہا۔

''اوہو، پھول، کس نے بھیجے ہیں یہ پھول۔'' پھولوں کا یہ بڑا سا را گلدستہ چھپنے والی چیز ہی نہیں تھا۔

''کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے۔'' چاچو کی صحبت کا اثر، مجھے غالب بروقت یاد آئے۔

میں نے بگ شو(Big Show) کی طرف بغور دیکھا۔ وہ بے نیازی کی بھرپور اداکاری کرتا آموں کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ مگن ہو گیا تھا۔

''بھیجا ہے کسی نے۔'' میں نے یوں کہا گویا اسے چڑانا چاہتی ہوں۔

دادی ہماری ماسی بشیراں کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے میری بات سنی نہیں تھی ورنہ گھورتیں ضرور۔ میں اٹھلاتی اور اتراتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھول تو دیکھ ہی چکی تھی اب ڈبا کھول کر کیک دیکھ رہی تھی۔ ہارٹ شیپ کا اسٹرابیری کیک اور اس پر بھی لکھا ہوا۔ پیٹو نے تحفے میں دیا بھی تو کیک ہی۔ کھانے پینے والا بندہ تحفے میں کھانے پینے ہی کی چیز دے سکتا تھا۔ میں یہ کیک گھر میں کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی کہ اس پر خاصا بولڈ اور غیر سنسر شدہ جملہ تحریر تھا۔ ویسے میں ہر چیز اپنے بھائیوں کے ساتھ مل بانٹ کر کھاتی ہوں اور پھر اسٹرابیری کیک تو روحیل کو پسند بھی بہت ہے مگر آخر کو میں ایک مشرقی لڑکی ہوں بھائیوں کے ساتھ یہ کیک شیئر کرتے کیا مجھے لاج نہیں آئے گی؟ ''سوری روحیل، بہروز اور مبشر! بجو کو یہ کیک اکیلے ہی کھانا پڑے گا۔''

''ارے یہ کیا ہے بھئی؟'' ہنی کو کمرے میں نہ پا کر میں یہ سمجھی تھی کہ وہ نیچے جا چکی ہیں جب کہ وہ تو بالکونی میں تھیں اور اب ایک دم ہی اندر آ گئی تھیں۔

ہنی کی خیر ہے انہیں کیک اور کارڈ دکھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں تھا اور اگر ہوتا تب بھی وہ کون سا رک جاتیں۔ وہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی تیزی سے آگے آئیں۔ پہلے کیک کو دیکھا، پھر مجھے، پھر دوبارہ کیک کو اس کے بعد پھولوں پر نظر پڑی تو جھٹ انہیں اٹھا لیا۔ میں اترائی ہوئی مسکراہٹ لیے انہیں کارڈ پڑھتا دیکھ رہی تھی۔

''سویٹ ہارٹ (Big show)'' وہ کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔ ''بہت مبارک ہو نگی! تیرے (Big show) نے آخر منگیتر ہونے کا حق ادا کر ہی دیا۔ ناحق دل برا کرتی تھیں۔ دیکھو اس بے چارے کو تمہارا کتنا خیال ہے۔''

''ہنی! اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میں اسے بگ شوBig show کہتی ہوں؟'' ہنی سے یہ کہتے وقت میرے ذہن میں اپنے بھائیوں کی شکلیں آئیں۔ ضرور یہ ان تینوں میں سے کسی کی کارستانی ہے۔ چھوڑوں گی تو اسے میں ہرگز نہیں، ان تینوں میں سے یہ جس کسی کی بھی حرکت ہو گی۔

''ہاں واقعی سوچنے کی بات ہے اسے کیسے معلوم ہو گیا؟'' ہنی نے کیک کے اوپر لگی سرخ سرخ اسٹرابیریز میں سے ایک اٹھا کر منہ میں رکھی۔ مجھے ان کے جملے اور معصومیت سے آنکھیں پٹپٹانے، دونوں نے ایک دم ہی چونکایا۔

''ہنی؟'' مجھے یقین کرنے میں تامل تھا۔ ''آپ نے؟''

انہوں نے دوسری اسٹرابیری اٹھا کر سرعت سے منہ میں رکھی اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف جاتے ہوئے مجھ سے بولیں۔

''ہاں میں نے بتایا تھا اسے کہ نگی تمہیں پیار سے بگ شوBig show کہتی ہے۔ تمہارے ''Big show'' سے میری دوستی فون پر اس وقت ہو گئی تھی جب تمہارا رشتہ طے کر کے منگنی کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ میں نے ہی اسے کراچی فون کیا تھا۔ اپنی لاڈلی بھانجی کے ہونے والے منگیتر

کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات تو مجھے حاصل کرنی ہی چاہیے تھیں۔ بس پھر ہماری دوستی ہوگئی۔ ہم کبھی کبھار نیٹ پر چیٹنگ بھی کرنے لگے۔"

ہنی اور یہ غداری؟ مجھے امید نہیں تھی۔ وہ میری ہر بات اسے بتاتی تھیں۔ انہیں غصہ دلانے کو جو جو باتیں میں جان بوجھ کر کہا کرتی تھی وہ سب بھی "جب علی میری تعریف نہیں کرتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔" مجھے اپنا کہا ایک جملہ یاد آیا۔

میں نے ہنی کو گھورا وہ دروازہ کھول کر کھڑی مجھے شریر نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ جب میں اپنے تئیں ہنی کو بے وقوف بنا رہی تھی تب وہ میری تمام باتیں من وعن اس تک پہنچا رہی تھیں۔

"ہم دونوں میں سے کس نے کس کو بے وقوف بنایا پتا نہیں چل رہا تھا۔ ہاں اتنا ضرور سمجھ میں آ رہا تھا کہ بڑے واقعی بڑے ہوتے ہیں۔ خود کو چالاک اور ذہین سمجھ کر جب ہم اپنے بڑوں کو Under Estimate کرتے ہیں وہیں مار کھاتے ہیں۔

"ہنی! میں آپ کو چھوڑوں گی تو ہرگز نہیں۔ اس موٹے بھالو کو کتنی خوش فہمیوں میں مبتلا کروایا ہے آپ نے۔"

میں دھمکی آمیز لہجے میں بولتی تیزی سے ان کی طرف بڑھی اور وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر۔ اب صورت حال کچھ یوں تھی کہ ہنی آگے تھیں اور میں ان کے پیچھے اور شاید چالاکی میں مجھے ہمیشہ ہنی سے پیچھے ہی رہنا تھا۔ انہیں سیڑھیاں اترتا دیکھ کر میں ہار مانتے ہوئے رک گئی۔ غصے سے زیادہ مجھے ہنی کی چالاکیوں پر ہنسی آنے لگی تھی۔

"ساون کا جو موسم مجھے بہت برا لگ رہا تھا، اسی موسم نے دل کو ایسا خوش کیا تھا کہ اس پر پیار آنے لگا تھا۔ ویسے موسم کے اس اچھے لگنے کا تعلق اپنے "قصے" سے زیادہ ہنی اور ڈاکٹر چاچو سے تھا۔ میرا دل ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے لیے بے انتہا خوش تھا۔ اپنے "قصے" پر فی الحال میری زیادہ توجہ نہیں تھی۔ میں ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے بارے میں سوچ رہی تھی، وہ دونوں ایک ساتھ کتنے اچھے لگیں گے۔

"ہنی Weds ڈاکٹر چاچو......" میں نے زیرِ لب کہا اور پھر مسکرا دی۔ یہ تو لو میرج تھی مگر اسے ارینج میں نے کیا تھا۔ کون کہتا ہے ارینج لو نہیں ہوسکتا۔ کم از کم میں نے تو یہ بات غلط ثابت کر کے دکھا دی۔ یہ ارینج لو ہی ہوا تھا اور اسے ارینج کیا تھا میں نے، زرنگار ساجد صدیقی نے۔ جب دو محبت کرنے والوں کے درمیان ایک تیسرا فرد آ کر نفرت ڈلوا سکتا ہے تو دو محبت نہ کرنے والوں کے درمیان ایک تیسرا فرد آ کر محبت کیوں نہیں ڈلوا سکتا؟ اور جہاں تک ہنی اور ڈاکٹر چاچو کی ذاتی پسند ناپسند میں اختلاف کا سوال ہے تو جس جگہ محبت ہو وہاں اس چیز کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ کچھ بعید نہیں کہ آنے والے برسوں میں ہنی ڈاکٹر چاچو کے ساتھ بیٹھ کر کلاسیکل میوزک انجوائے کرتی، دقیق ادبی کتب کا مطالعہ کرتی دکھائی دیں اور ڈاکٹر چاچو ہنی کے ساتھ بیٹھ کر انڈین سوپس اور انڈین مویز کو دیکھتے اور ان پر تبصرہ کرتے نظر آئیں۔ محبت دراصل اسی شیئرنگ کا نام ہے اگر کیمیائی زبان میں بات کریں تو محبت Covalent Bond کی طرح ہوتی ہے Covalent Bond میں Electrons شیئر کیے جاتے ہیں اور Love Bond میں ایک دوسرے کے سکھ، دکھ، پسند، ناپسند سب کچھ شیئر کیا جاتا ہے۔

"کبھی کبھی میں کچھ اچھی باتیں نہیں کر جاتی؟"